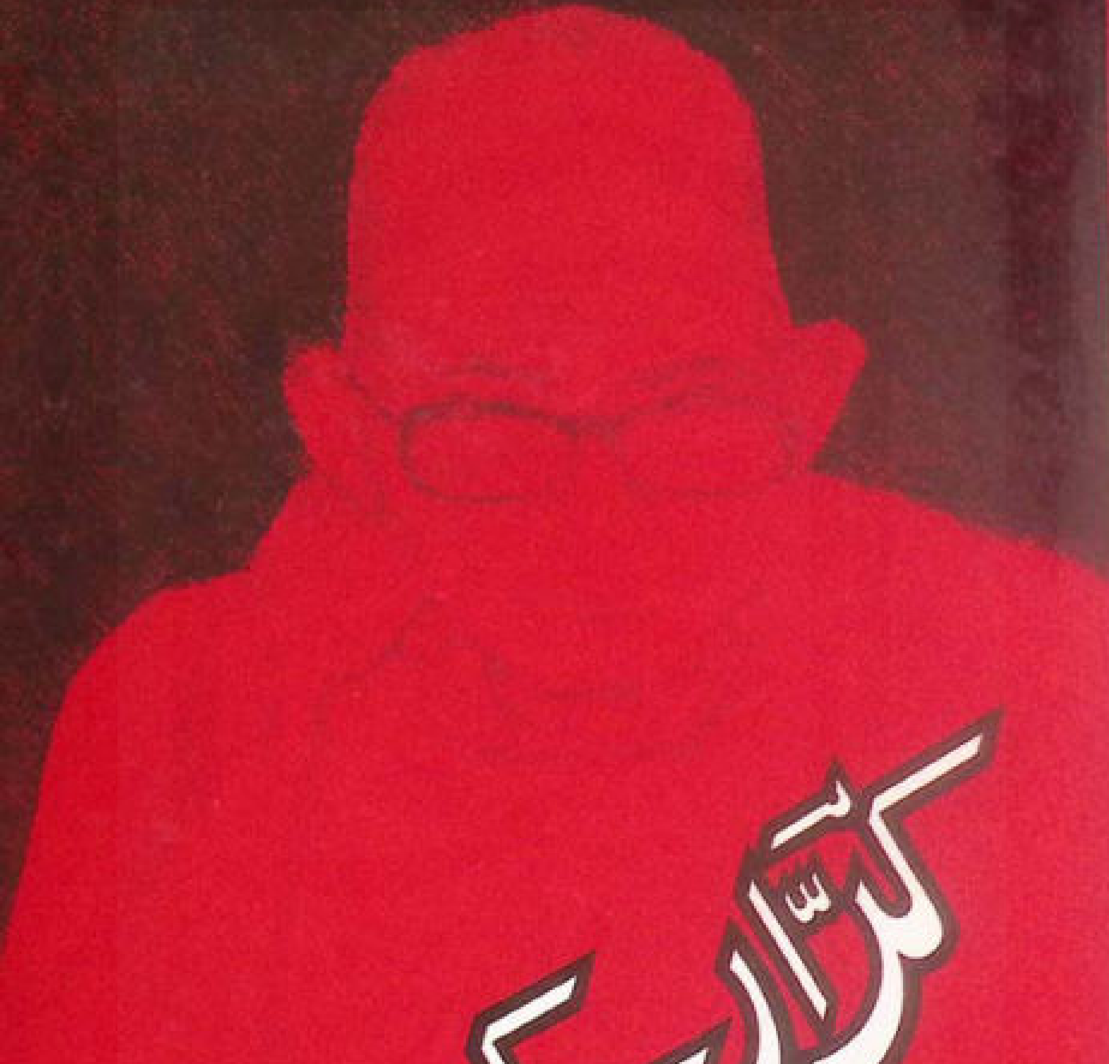


کرّار کے مرثیے

طباعتِ دوم مع اضافہ

مرتّب : سید یداللہ حیدر

کرّار کے مرثیے

(سید کرار حیدر کرّار جونپوری کے

مرثیوں، سلاموں، قطعات ورباعیات کا مجموعہ)

ترتیب

سید یداللہ حیدر

دائرۂ طباعت

کتاب	:	کرار کے مرثیے
شاعر	:	سید کرار حیدر جونپوری
کمپوزنگ	:	سید قمر عباس زیدی
باہتمام	:	سید مجتبیٰ شکوہ، مرتضیٰ شکوہ
سرورق	:	سید یداللہ حیدر
اشاعت	:	ثانی۔۔ مئی ۲۰۱۶ء
تعداد	:	۱۰۰۰
مطبع	:	سید غلام اکبر
قیمت	:	۳۰۰ روپے
رابطہ	:	haideryadullah@gmail.com
دارالاشاعت	:	c,61 بلاک 16، گلستان جوہر۔ کراچی
فون نمبر	:	0300-8280938

فہرست

مرثیے

متفرق صفحات پر سلام، رباعیات اور قطعات موجود ہیں۔



کرّار جونپوری کے والد سید محمد جعفر
۱۹۲۵ء عالمِ جوانی میں



کرّار جونپوری کے والد سید محمد جعفر
جنہوں نے ساداتِ جونپور کا نسب نامہ بھی لکھا تھا۔



کرّار جونپوری کے والد سید محمد جعفر عالمِ پیری میں



کرّار جونپوری عالمِ شباب میں



کرّار جونپوری اپنے بھائی سید باقر حسن زیدی کے ساتھ



کرّار جونپوری دورانِ ملازمت .... کراچی ۱۹۳۱ء



کرّار جونپوری ۲۶ دسمبر ۱۹۳۰ء اپنی شادی کے موقع پر



کرّار جونپوری



کرّار جونپوری

پیش لفظ

''کرار کے مرثیے'' کے عنوان سے ۱۹۹۳ء میں والد مرحوم کے تصنیف کردہ مرثیوں کا مجموعہ آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اب ''کرار کے مرثیے'' کی طباعتِ دوئم حاضرِ خدمت ہے۔ اس کتاب میں مرحوم کے باقی تمام مرثیے شامل کیے گئے ہیں۔ اس طرح یہ مجموعہ، مرثیوں کی حد تک، والد مرحوم کی کلیات کہا جا سکتا ہے۔ اگر حالات موافق رہے اور آپ کی دعائیں شاملِ حال رہیں تو انشاءاللہ ان کے قصیدوں، منقبتوں، سلاموں اور نوحوں کا مجموعہ بھی پیش کیا جائے گا۔

اس مجموعے کے چھپوانے کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ پچھلی طباعت کی مزید کا پیاں نہ ہونے کے باعث بہت سے لوگوں تک یہ کتاب نہیں پہنچ پائی تھی۔ دوسرے یہ کہ احباب کا اصرار تھا کہ باقی مرثیے جو چھپنے سے رہ گئے تھے ان کو بھی شاملِ طباعت کرلیا جائے۔ یہی دو وجوہات اس طباعت دوئم کی تحریک کا سبب بنیں۔

اس سلسلے میں، میں معروف محقق جناب علامہ سید ارتضیٰ عباس نقوی صاحب کا تہہ دل سے مشکور و ممنون ہوں کہ انھوں نے اپنے قیمتی اوقات میں سے وقت نکال کر طباعت کے تمام مراحل میں میری مدد فرمائی۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ میں گھر بیٹھا رہا اور کتاب چھپ کے آگئی۔ ورنہ اس سلسلے میں کتنی دوڑ دھوپ کرنی پڑتی ہے یہ سب جانتے ہیں۔ میں ایک بار پھر موصوف کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ خدائے تعالیٰ ان کی توفیقات میں اضافہ کرے۔

میں اپنے صاحبزادوں کا بھی مشکور ہوں خاص طور سے سید رضا حیدر کا جن کی مالی معاونت کے بغیر اس کتاب کی طباعت ممکن نہیں تھی۔

خیر اندیش و ممنونِ کرم

سید یداللہ حیدر

مختصر حالات

نام:	سید کرار حیدر۔ کرارؔ جونپوری (مرحوم)
والد کا نام:	سید محمد جعفر (مرحوم)
تاریخ ولادت:	۲۶؍اگست ۱۹۱۰ء۔ ضلع جونپور
تعلیم:	اردو، فارسی، علم عروض اور دینی تعلیم، انجینئرنگ کی تعلیم NED
قیام کراچی:	از ۱۹۳۲ء
شاعری کی ابتدا:	۱۲؍سال کی عمر سے
باقاعدہ شاعری:	۱۹۵۲ء سے
پہلا مرثیہ:	بعنوان نیند۔ ۱۹۶۷ء
تعداد مراثی:	۱۶ (سولہ)
اصنافِ سخن:	قطعات، رباعیات، سلام، نعت، منقبت، مراثی، غزلیات، ہزلیات
ذریعہ معاش:	الیکٹرانک انجینئر
مستقل رہائش:	ناظم آباد
تعداد شاگردان:	پانچ۔ اسیرؔ فیض آبادی، معجزؔ جونپوری، زائرؔ امروہوی، زاہدؔ فتحپوری، سید اللہ حیدر حیدرؔ
تاریخ وفات:	۱۱؍جولائی۔ ۱۹۸۳ء
جائے مدفن:	علی باغ، کراچی

وحید الحسن ہاشمی

مقدمہ

کرار جونپوری شیراز ہند جونپور کے چشم و چراغ تھے باپ کا نام سید محمد جعفر تھا۔ ۱۹۱۰ء میں پیدائش ہوئی۔ اردو، فارسی اور علم عروض کی تعلیم گھر میں حاصل کی کچھ عرصہ لکھنؤ میں ادبیات انگریزی پڑھنے کے بعد علی گڑھ چلے گئے وہاں سے انٹرمیڈیٹ پاس کر کے اپنے والد کے ہمراہ ۱۹۳۲ء میں کراچی آ گئے۔ ان کے والد بسلسلۂ روزگار ۱۹۱۶ء سے کراچی ہی میں مقیم تھے۔ بارہ سال کا سن تھا کہ شعر کہنے لگے شروع شروع میں مزاحیہ شعر کہتے تھے لیکن والدین کی تہدید کے باعث یہ رنگِ شاعری ترک کر کے سلام و قصیدے کی طرف متوجہ ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۵۲ء سے باقاعدہ مرثیہ گوئی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اپنی وفات تک صرف چودہ مرثیے کہے اس کمی کی شاید وجہ ہو کہ قدیم دبا ہوا طنزیہ اور مزاحیہ رنگ ان پر اتنا غالب آ گیا کہ اسی رنگ میں کئی دیوان مرتب ہو گئے لیکن سارا کلام اشاعت سے محروم رہا۔ اب پہلی مرتبہ یہ نایاب اور انمول مرثیے شائع کئے جا رہے ہیں۔

کرار جونپوری نسلاً سادات زیدیہ سے تعلق رکھتے ہیں آپ کے آباواجداد میں سید ابوالفرح واسطی ہندوستان تشریف لائے اور پانی پت میں قیام پزیر ہوئے یہیں آپ کا مزار آج بھی زیارت گاہ خواص و عام ہے سید جمال الدین کے بیٹے سید حیدر شاہ سرسی سے پھر پانی پت آ گئے اور اپنے والد کی وصیت کے مطابق تبلیغ اسلام کرتے ہوئے اسی علاقے میں مدفون ہوئے۔ سید حیدر کے پڑپوتے کے صاحبزادے سید محمود نے پانی پت کے قریب محمود آباد کے نام سے ایک بستی بسائی اور اسی بستی میں دفن ہوئے سید محمود کے بیٹے سید مسعود دہلی چلے گئے اور سلسلۂ چشتیہ سے منسلک ہو گئے سید مسعود کے بیٹے سید بڑے میر شیخ نصیر

الدین چراغ دہلوی سے بڑی عقیدت رکھتے تھے انہی کے حکم سے نواحِ شرق میں ظفر آباد آکر ہندوؤں کے مکروفریب کے پردے کو چاک کیا اور ایسی کرامتیں دکھائیں کہ ہزاروں ہندو مسلمان ہو گئے جو بچ رہے وہ بھاگ کر اِدھر اُدھر چلے گئے۔ میر سید بڑے میر نے ظفر آباد کے قریب مسونڈہ میں ۷۷۰ھ میں بڑی شان وشوکت کے ساتھ ایک علم اسلامی نصب کیا اور دور دور سے سادات کو بلا کر اس علاقے کو کفر سے پاک کر دیا۔ "مذہب پاک" سے اس واقعے کی تاریخ نکلتی ہے۔ ۷۷۲ھ میں فیروز تغلق نے اپنے بھائی جونا خان کے نام پر جونپور بسایا جس کی تاریخ "شہر جونپور" سے برآمد ہوتی ہے۔ اِدھر تو جونپور علوم وفنون کا مرکز بنا اور دور دور سے علماء اور فضلاء یہاں جمع ہوتے گئے۔ ادھر سید بڑے میر کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے سید کرم اللہ کی نسل موضع مسونڈہ میں پھلنے پھولنے لگی۔ ابھی پچاس برس گزرے تھے کہ مسونڈہ میں سید کرم اللہ کے پوتے اور ان کی اہلیہ کی قبریں کسی وجہ سے کج ہو گئیں لوگوں نے اس کجی کو دور کر کے دونوں قبروں کو پھر متوازن کر دیا لیکن کچھ ہی عرصے بعد وہ قبریں پھر کج ہو گئیں اور آج تک کج ہیں بستی والوں نے اسے ایک معجزہ گردانا اور مسونڈہ کا نام کج گاؤں رکھ دیا۔ یہ قصبہ جونپور سے تقریباً دس میل دور ہے اسی قصبہ کج گاؤں سے کرار جونپوری کے آباؤ اجداد کا تعلق خاص ہے۔

کرار جونپوری کے مرثیوں پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ زندگی کے بارے میں ایک خاص نظریہ رکھتے تھے اگر چہ اس نظریہ کا اظہار شعوری یا غیر شعوری طور پر ہر مرثیہ گو نے کیا ہے لیکن کرار جونپوری نے اسے اپنے مرثیوں کا ایک جزو لاینفک بنا کر پیش کیا ہے سوال یہ ہے کہ آیا زندگی حرکت کا نام ہے یا قیام کا آیا یہ سفر ہے یا حضر ہے آیا یہ رواں دواں ہے یا اس میں ٹھہراؤ ہے اس سوال کا جواب کرار جونپوری نے یہی دیا ہے کہ زندگی جہد مسلسل کا نام ہے ازل سے آج تک زندگی کا سفر جاری وساری ہے زندگی کا قافلہ ہمہ وقت سفر کی آواز سننے کے لئے بے چین رہتا ہے اور انسان کی پوری حیات سفر ہی کے انداز میں بسر ہوتی ہے۔

کارواں زیست کا ہے گوش برآوازِ سفر

زندگی کٹتی ہے انساں کی بہ اندازِ سفر

(مرثیہ سفر)

انھوں نے حیاتِ انسانی سے یہ سبق حاصل کیا کہ اگر انسان متحرک نہیں تو گھر بیٹھے نہ اسے منزل ملے گی نہ ذہن کو ارتقا حاصل ہوگا اگر انسان کی خواہش ہے کہ کسب کمالات کے در کھل جائیں اور علم کے دروازے وا ہو جائیں تو اسے ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھنا نہیں چاہیۓ عام آدمی کو تو ذکر ہی کیا اکثر انبیا کو بھی دیس چھوڑ کر پردیس کی راہ لینا پڑی۔

بے سفر پہنچے نہ منزل پہ خدا کے بھی سفیر
انبیا کو نہ ملی اپنے وطن میں توقیر
گھر سے نکلے ہیں تو تبلیغ رسالت کی ہے
اور تو اور محمدؐ نے بھی ہجرت کی ہے

(مرثیہ سفر)

زندگی کا ایسا محاکمہ اور اس کے ثبوت میں تاریخی واقعات پیش کرنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ شاعری کا تاریخی شعور بہت وسیع اور گمبھیر ہے یہ حقیقت ہے کرار جونپوری کو علم تاریخ سے بڑی دلچسپی تھی اگر چہ وہ پیشے کے لحاظ سے ایک انجینئر تھے لیکن مطالعہ کی وجہ سے ان میں تاریخ سے باخبری حاصل ہوگئی تھی۔ انھوں نے اپنے مرثیوں میں تاریخی واقعات سے بہت مدد لی ہے اس فن سے انھیں سرگونہ فوائد حاصل ہوئے۔

۱۔ان تاریخی واقعات سے انھوں نے اپنے دعوؤں کا استدلال پیش کیا ہے۔

۲۔لوگوں کے ذوقِ سخن کو تسلی اور تشفی دینے کے لئے تاریخ حوالہ بہت کارگر ثابت ہوا ہے۔

۳۔واقعات کے تسلسل سے بے جان سے بے جان مرثیے میں جان پڑگئی ہے اور مرثیہ طویل ہوگیا ہے۔

کرار جونپوری نے بڑی فنکاری سے مندرجہ بالا تینوں فوائد حاصل کر لئے لیکن سامعین کو نہ کانوں کان خبر ہوئی نہ ان کے ذہنوں پر کوئی بوجھ محسوس ہوا۔ چند مثالوں سے

میرے اس قول کی تصدیق ہو جائے گی۔

۱۔ سب سے پہلا چمن خلد سے آدم کا سفر ہے (مرثیہ سفر)

۲۔ ایسے عالم میں ہوا نوح کا عالم میں ورود "

۳۔ عشق کی جب ہوئی خلت سے شرف افزائی "

۴۔ ذکر رب میں ہوئے ہمدوش پدر اسماعیل "

۵۔ وادی نیل میں پھیلی مہہ کنعاں کی ضیا "

۶۔ طور پر نور محمدؐ کا دکھایا جلوہ "

۷۔ آخر کار ہوا ایک مسیحا کا ظہور "

۸۔ چرخ لولاک کا وہ مہر مبیں آتا ہے "

۹۔ یوں مدینے سے چلا قافلۂ اہل وفا "

مندرجہ بالا تمام مصرعے اپنے دامن میں تاریخ کا کوئی نہ کوئی پہلو لئے ہوئے ہیں یہ پہلو خود بتاتے ہیں کہ شاعر کو تاریخ انسانی کے تہذیبی شعور پر پوری قدرت حاصل ہے۔

تاریخِ انسانی صرف خیر سے عبارت نہیں ہے اس میں شر کے پہلو بھی پنہاں ہیں۔ خیر و شر کی جنگ ہو یا جہد البقا، فطرت انسانی کو نہ جانے کیوں مرغوب ہے۔ کرار جونپوری نفسیات کے اس راز اور فطرت کے اس لگاؤ سے خوب واقف ہیں اس لئے انھوں نے مرثیوں میں جہاں خیر، تہذیب، ثقافت اور مجلسی آداب کا ذکر کیا ہے وہیں شر، تخریب، ضلالت اور فرقہ بندی کا بھی تذکرہ کر دیا اور تصادم حیات سے جو نتائج برآمد ہوئے انھیں "جاعلٌ فی الارض" کا مقصد اصلی قرار دیا۔ آدم و ابلیس، خلیل و نمرود، موسیٰ و فرعون، ابوسفیان و محمدؐ اور یزید و حسینؑ کے درمیان جو آویزش اور کشمکش تھی اس کی نہایت آسان الفاظ میں نقشہ پیش کر کے قارئین کو دعوتِ فکر دی اور یہ تاثر پیش کیا ہے کہ آج بھی خیر و شر کی جنگ جاری ہے اب یہ انسان کی اپنی عقل و دانش پر منحصر ہے کہ وہ حسینؑ کی سیرت و کردار کا تتبع کرتا ہے یا یزید کے افعال کی پیروی اپنی زندگی کا نصب العین بناتا ہے۔ اگر مقصدِ گفتگو یہیں پر

ختم ہو جاتا تو قاری کے ذہن میں ایک کشمکش اور تذبذب کا عالم پیدا ہو جاتا کہ ان دوراہوں میں سے وہ کس راستے کو اختیار کرے اور کسے ترک کردے اس لئے کرارؔ جونپوری نے اس دوراہے کی مشکل بھی آسان کردی انھوں نے اپنے قارئین کو سمجھایا کہ اس میں کوئی کلام نہیں کہ حاکمِ وقت یزید ہے وہ طاقت اور سلطنت کا مالک ہے جبر اور رعونت کے ہتھیار ہیں مگر اس کے مقابلے میں:

ایثار و سرفروشی و جانبازی و وفا
احساس، فرض، جوشِ عمل، نصرتِ خدا
صبر و شکیب و صدق و صفا، زہد و اتقا
جود و سخا و مہر و کرم، بخشش و عطا

ہر وصف جو بشر کے لئے وجہ زین ہے
ان سب صفاتِ خیر کا مظہر حسینؑ ہے

امام حسینؑ کی درج بالا صفات کے پیشِ نظر یزید پر برتری تو حاصل ہے لیکن عقیدے کے لئے عمل اور اظہار کی بھی ضرورت ہوتی ہے اس لئے ضروری ہے کہ شاعر وہ طریقہ بھی بتائے جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ معتقد ایسا عمل بھی کر رہا ہے جو فکرِ حسینی کے ہمرکاب ہے شاعر کے نزدیک یہ عمل عزائے حسینی میں اپنے کو گریاں رکھنا ہے:

شامل رہے ہماری خوشی میں بھی شہ کا غم
قائم فضائے دہر میں رسمِ عزا رہے
ہر دم زباں پہ تذکرۂ کربلا رہے

اس مقام پر پہنچ کر شاعر کو یہ احساس ہوا کہ اگر عمل کا نتیجہ نہ بتایا گیا تو ممکن ہے شک کی فضا عقیدہ اور عمل دونوں کو غیر مستحکم کردے اس لئے اس نے یہ نوید بھی سنائی کہ:

مضطر نہ ہو جو نامۂ اعمال ہے سیاہ
شاید یہ کہہ کے بخش دے خالق ترے گناہ
ذاکر حسینؑ کا ہے گناہوں سے کیا ہوا
لے جاؤ اس کو خلد میں جو کچھ ہوا ہوا

کرارؔ جونپوری نے جن اعلیٰ شخصیات کو اپنے مرثیوں میں جگہ دی ہے ان کا

تذکرہ بڑی آن بان سے کیا ہے یہ تذکرے سیرت نگاری کے ذیل میں آتے ہیں۔
سیرت نگاری کا فن بچوں کا کھیل نہیں یہ جان جوکھوں کا کام ہے اور یہاں پتے کو پانی کرنا پڑتا ہے اگر شخصیت دنیاوی اعتبار سے اہم ہے تو سیرت نگاری میں تھوڑا سا جھول قابلِ برداشت ہوسکتا ہے لیکن اگر شخصیت دینی ہے اور اس کے چاروں طرف اعتقاد کا حصار ہے تو ذرا سی لغزش بھی مسلمان کو کافر بنا دیتی ہے۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے بشری جذبہ تک اپنی سیرت نگاری کے فن کو محدود رکھا اور سیرت کے صرف ان پہلوؤں کا ذکر کیا ہے جو زبان زدِ خواص وعوام ہیں:

بسم اللہ قرآنِ عقیدت ہیں محمدؐ
طغرائے سرلوحِ فضیلت ہیں محمدؐ

(مرثیہ گنجینۂ فکر)

کیوں جنگ میں ہو ضرب وعدالت کی نہ حد ایک ہیں حیدرؑ و انصاف کے ابجد سے عدد ایک
عالم میں بلند آج جو اسلام کا سر ہے
یہ فاطمہؑ کی گود کے پالوں کا اثر ہے

(مرثیہ گنجینۂ فکر)

تھی صلحِ حسنؑ آئینۂ صلحِ پیمبرؐ

مانندِ حدیبیہ یہ تمہید ظفر تھی سن ساٹھ پہ فرزندِ پیمبر کی نظر تھی

(مرثیہ گنجینۂ فکر)

مرکز نبیؐ ہے دین کا محور حسینؑ ہے ایماں کا تابناک مقدر حسینؑ ہے
پائندہ اس سے دین کے پانچوں اصول ہیں یہ ہے رسولِ پاکؐ سے اس سے رسولؐ ہیں

(مرثیہ منقبت)

شمعِ ایوانِ امامت کی ضیا ہے عباسؑ وارثِ دبدبۂ شیرِ خدا ہے عباسؑ
سارے اوصاف سے موصوف ولایت کے سوا ہے یہ ہر رخ سے علیؑ ایک امامت کے سوا

(مرثیہ وفا)

اوپر کی مثالوں سے کرار جونپوری کے فنِ سیرت نگاری پر روشنی پڑتی ہے آپ دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں ان کا رویہ کس قدر محتاط اور متوازن ہے۔

سیرت نگاری کا فن ہو تاریخی واقعات کو ضبطِ تحریر میں لانے کا مسئلہ کرار جونپوری کی زبان صاف شفاف رواں دواں اور سادگی کی خوشبو لئے ہوئے ہے۔ ایک آدھ لفظ کے سوا انھوں نے کہیں ثقیل اور بھدی تراکیب استعمال نہیں کیں انسان کا دل صاف ہو تو تحریر میں بھی صفائی آجاتی ہے کہا جاتا ہے کہ مرثیہ شکوہ الفاظ اور نادر تشبیہات و استعارات طلب کرتا ہے لیکن اپنے دل کی بات اپنی مادری زبان ہی میں بھلی معلوم ہوتی ہے۔ کرار جونپوری ایک ایسے شاعر ہیں جو مرثیے کی لسانی تشکیل میں اپنی خواہشوں پر الفاظ کو قربان نہیں کرتے بلکہ الفاظ پر اپنی خواہشوں کا محل تیار کرتے ہیں ذرا ان کی عام فہم اور رواں دواں زبان کے جادو کا اثر ملاحظہ فرمائیں:

ہوسِ زر ہے جفا مسلکِ بوذر ہے وفا حربِ عنتر ہے جفا ضربتِ حیدرؑ ہے وفا
نصرتِ شر ہے جفا حفظِ پیمبرؐ ہے وفا یعنی آذر ہے جفا خلتِ داور ہے وفا
دیو باطل کی حمایت کو جفا کہتے ہیں
حق سے بھرپور تعاون کو وفا کہتے ہیں

آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ شاعر کے الفاظ اور اس کے خیالات مماثمت کے کتنے دبیز پردوں میں چھپ کر وفا کا اظہار کر رہے ہیں یہ وہ مقام ہے جہاں شاعر نے صنائع بدائع کے طلسم کو توڑ کر سادگی اور پرکاری کے رنگ روپ کو نکھارا کیونکہ اس کے نزدیک مرثیے کی حیاتِ نو کا یہی تقاضا تھا آج جبکہ ہماری زندگی نئی منزل کے لئے سرگرمِ عمل ہے مرثیے کو بھی زندگی کے نئے سفر کے لئے تیار کرنا چاہیے۔

کرار جونپوری نے مرثیے کی قدیم ہیئت سے سرمو انحراف نہیں کیا انھوں نے

قدیم شعرا کی طرح عربی الفاظ سے مدد بھی لی اور محاورں کا برمحل استعمال بھی کیا مگر اتنا جتنا آٹے میں نمک ہوتا ہے ان باتوں کے باوجود انھوں نے مرثیوں کو عام بول چال کی حد میں داخل کر کے وہی نتائج اخذ کیے جو نادر خیالات واحساس کی اعلیٰ تاویل اور تخیل کی بلند پرواز سے حاصل ہوتے ہیں۔

گفتگو کے اس انداز اور سخن کے اس پُر اثر طریقے کی مشابہت کہیں کہیں آلِ رضا مرحوم کے طریقۂ استدلال سے معلوم ہوتی ہے سید آل رضا دعویٰ بیان کر کے اس کی دلیل نہایت دلچسپ طریقے سے پیش کرتے ہیں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ غیر کے دعوے کا بطلان پیش کر کے سامعین کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کرتے ہیں۔ کرار جونپوری بھی اسی راہ کے مسافر ہیں لیکن وکالت کے پیشے سے منسلک نہ ہونے کی وجہ سے مرثیے کو وہ رنگ نہ دے سکے جس کے لئے خالق نے سید آلِ رضا کی تخلیق کی تھی۔ کرار جونپوری کے طریقۂ استدلال کا ایک منظر ملاحظہ ہو:

کہتے ہیں کہ اللہ کو مذہب نے تراشا
خالق نہیں یکسر کوئی اس ارض وسماں کا
بس یونہی بلا وجہ یہ خود ہوگئے پیدا
منطق یہ نرالی ہے تخیل یہ انوکھا
قدرت تو نظر آئی ہے قادر نہیں کوئی
خود بن گئی تصویر مصوّر نہیں کوئی

جب خودگرو خودکار ہے ہر چیز جہاں کی
آپس میں یہ پابندیٔ قانون ہے کیسی
اجرامِ سماوی کی یہ تنظیم دوامی
خود دیتی ہے خلاقِ حقیقی کی گواہی
کچھ اس خرد وفہم کے افلاس کی حد ہے
قانون ہے تسلیم مقنن ہی سے کد ہے

شاعری میں استدلال اور استدلالی شاعری میں زمین وآسمان کا فرق ہے شاعری میں استدلال کا وہی مرتبہ ہے جو شاعری میں منظر نگاری یا واقعہ نگاری کا ہے لیکن استدلالی شاعری کا تعلق کیفیات سے ہے پہلے میں عقل کی جلوہ گری اور دوسرے میں دل کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ عقل نظر کی محتاج ہے دل خبر سے چلا پاتا ہے۔ شواہد عقل کے کارندے ہیں تاثر

دل کی کھیتی کا دانہ ہے جوش و جمیل مظہری عقلی مرثیے کے شاعر ہیں نجم آفندی اور آل رضا دل کے مرثیے کے شاعر ہیں رثائی کیفیات کا مشاہدہ کرنا ہے تو انیس کے فن کا مطالعہ ناگزیر ہے وفادار کے کارنامے رقم کرنا آسان ہے لیکن وفا کی کیفیات کو نظم کرنا بڑا مشکل ہے جدید دور کے اکثر مرثیہ نگاروں نے کیفیات پر پُر اثر اور سحر انگیز مرثیے کہے ہیں کرار جونپوری نے بھی وفا، سفر، شاعری اور فکر پر خامہ فرسائی کی ہے اور ان کا ربط کربلا سے اس خوبی سے ملایا ہے کہ ان کے فنِ شاعری کی داد دینا پڑتی ہے۔ کاش ان کی زندگی ان سے وفا کرتی تو اس گوہرِ نایاب سے ہم اور چمک حاصل کرتے۔

وحید مودت

وحید الحسن ہاشمی

☆___☆___☆___☆___☆

سید علی حسین رضوی (وحشیؔ محمود آبادی)

مداحِ اہلِ بیت ہوں، کرارؔ نام ہے

''کرارؔ جونپوری'' نے خود اپنا تعارف ایک مصرع میں کرایا ہے۔ نام کے ٹکڑوں کی صراحت مزید کی جائے تو جونپوری اور کرارؔ دونوں نسبتی بھی قرار پائیں گے اور توصیفی بھی۔ کرارؔ کی نسبت حیدر کرارؑ سے ہے اور جونپور سے سکونتِ آبائی کا اظہار ہوتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بچے کا نام والدین کے ذہن و عقیدہ کا عکاس ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ''سید کرارؔ حیدر'' اس جذبۂ ولا کا ترجمان ہے۔ جس میں ان کی ولادت ہوئی اور گہوارۂ تربیت اُس ماحول کا منظر کش، جس میں وہ پروان چڑھے۔

جونپور ان کا مولد تھا جس کو فیروز تغلق نے کرارکوٹ کے مقام پر آباد کیا تھا اور ملک جوناشاہ کے نام پر اس کا نام جونپور رکھا تھا۔ اب اس کو اتفاق ہی کہنا چاہیے کہ کرارؔ کی نسبت کرّار سے ہوگئی اور جون حضرت جون بن حوی شہید کربلا کے اسم مقدس سے مودتِ اہلِ بیت کے سوتے پھوٹنے لگے۔

بلاشبہ فیروز تغلق نے عالیشان عمارتیں بنوا کر جونپور کو ایک بارونق شہر بنادیا تھا لیکن چالیس پچاس سال بعد سلطنتِ شرقیہ میں جب وہ جون پور کہہ کر پکارا گیا تو اس کی گہما گہمی اور وقار کی نوعیت ہی بدل گئی اور نویں صدی ہجری کی پہلی دہائی سے دریائے گومتی کا یہ ساحلی شہر محبانِ علیؑ کو اپنے دامن میں جگہ دینے لگا۔

تیمور صاحبقراں کی ہندوستان میں آمد سے جلوس عزا میں تعزیے کا اضافہ ہوا تھا۔ تیمور کی واپسی کے بعد سلطنتِ شرقیہ کا قیام عمل آیا جس نے شمالی ہندوستان میں اولادِ فاطمہؑ

کی محبت کا نعرہ بلند کیا اور ذکرِ کربلا کے لئے پہلا امام باڑہ تعمیر کرایا۔

تاریخ کی یاد میں پہلا عاشور خانہ یعنی حسینیہ فاطمین مصر کے دوسرے خلیفہ المعز نے دریائے نیل کے کنارے تعمیر کرایا تھا اور قاہرہ کی آبادی کے ساتھ محل شاہی میں مجالسِ عزا کی جگہ مختص کی تھی۔ ہندوستان میں امام باڑوں کی تعمیر تقریباً ایک ہی ہے۔ جس میں دکن یا جونپور کی اولیت کی تحقیق اب تک نہ ہو سکی۔

اور ہو سکتا ہے کہ یہ شرف دونوں علاقوں نے بیک وقت حاصل کیا ہو لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ شمالی ہندوستان میں شاہان شرقیہ سے پہلے مجلسیں ہوتی تھیں، جلوسِ عزا بھی نکلتے تھے اور جلوس کسی مقام سے دوسرے مقام تک جاتے تھے لیکن کوئی نمایاں عمارت صرف عزائے حسینؑ کے لئے بنوائی نہیں گئی تھی۔

سلطنتِ شرق کا دورانیہ ایک صدی سے زائد کا نہ سہی لیکن اس مختصری مدت میں اس نے جونپور کو نہ صرف شیرازِ مشرق بنا دیا بلکہ ولائے اہل بیت کے وہ تخم بکھرائے جن کی کونپلیں خشکی پر تناور درختوں کی صورت میں نمودار ہوئیں اور ان سے باب مدینۃ العلم کی شعاعیں پھوٹتی رہیں اور جو تخم پانی میں گرے وہ آب گومتی میں بہتے ہوئے لکھنؤ میں ساحل بکنار ہوئے اور کئی برسوں بعد ان سے امام باڑۂ آصفی کے منارے وجود میں آئے۔

اس کو بھی شاہانِ مشرق کا معجزۂ ولا کہنا چاہیے کہ جونپور دیکھتے ہی دیکھتے علوم اہل بیت کا مرکز بن گیا اور اس کے گلی کوچوں میں دعائے فاطمہ زہراؑ کی کرامت دکھائی دینے لگی۔

بلاشبہ اس شہر نے بڑے بڑے عالمِ دین پیدا کیے جنھوں نے آل رسولؐ کی سر بلندی کے لئے زندگیاں وقف کر دیں اور وہ قلمی شاہکار چھوڑ گئے جو رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ شعر و ادب میں بھی جونپور کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

مشاہیر کے ناموں کو صرف نگاہ کر دیا جائے تب بھی عوامی سطح پر فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے سلاطینِ شرق کا شہر، دلّی اور لکھنؤ کا پیش خیمہ نظر آئے گا اور اس کے گلی کوچوں سے ادبیات کے فوارے چھوٹتے دکھائی دیں گے جیسے وقتاً فوقتاً قلی قطب شاہ کی پُرسوز آواز اور کربل کتھا کی روداد بھی سنائی دے گی۔

اردو کی حد تک کہا نہیں جا سکتا کہ دورِ شرقیہ میں کوئی خدمت کی گئی یا نہیں؟ لیکن فارسی میں نعت و منقبت اور مصائب کربلا کا بیان بڑی شدت سے کیا جاتا رہا، پھر زمانے کے ساتھ ساتھ زبان اور لب و لہجہ نے اپنا رخ بدلا تو اردو نے فارسی کی جگہ لے لی۔

ہندوستان کا سیاسی انقلاب یقیناً جونپور پر اثر انداز ہوتا رہا لیکن اس کی مٹی سے ہر عہد میں جوہر قابل پیدا ہوتے رہے بالخصوص حبِ علیؑ اور عزائے کربلا میں کوئی کمی نہیں آئی جس کو ایک فرزندِ جونپور کرارؔ نے اپنے انداز پر بیان کیا ہے:

ورد زباں ثنائے شہ خاص و عام ہے　　دل مطمئن ہے کام سے بس اپنے کام ہے
جس میں نہیں کلام، وہ میرا کلام ہے　　مداحِ اہل بیت ہوں، کرارؔ نام ہے

بچپن سے ہے امینِ سخن گستری زباں
ہے مدحِ اہل بیتؑ مری مادری زباں

یہ مادری زبان کسی ایک خاندان سے مختص نہیں تھی، تمام قدیم خانوادے اسی زبان میں بات کرتے تھے جن میں ایک خانوادہ کرارؔ جونپوری کا بھی تھا جو پشت در پشت حبِ اہل بیتؑ اور شعر و ادب کا ورثہ دار رہا تھا۔

کرارؔ جونپوری کا پورا نام سید کرار حیدر تھا جو سید محمد جعفر کے بیٹے تھے اور ۲۶ر اگست ۱۹۱۰ء کو جونپور میں پیدا ہوئے تھے۔

ان کا سلسلہ نسب سید ابوالفرح واسطی سے شروع ہوتا ہے جو حضرت زید شہید کی تیسری پشت میں تھے اور غالباً سادات بارہہ کے جد اعلیٰ سید ابوالفضل کے بھائی تھے۔

زید شہید کی اولاد نے اگرچہ واسط کو اپنا وطن بنا لیا تھا مگر سادات کشی کے بھیانک دور میں جب آل فاطمہؑ پر زمین تنگ اور آسمان دور تھا، ابوالفرح ترک وطن کر کے مع اہل وعیال وارد پانی پت ہوئے پھر ان کا خاندان یہیں کا ہو رہا ممکن ہے ان کا آنا پورے قبیلے کے ساتھ ہوا ہو جس کا حوالہ ڈاکٹر صفدر حسین نے اپنی ''خاندانی یادداشت'' یعنی سادات بارہہ کے نسب نامے میں دیا ہے۔

سید ابوالفرح کی اولاد میں میر سید بڑے میر شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے

برگزیدہ مرید تھے جو بنائے جونپور کے وقت قصبہ مسونڈہ میں مقیم تھے۔ ان کی اولاد سلاطین شرقیہ کی مقرب ہوئی، زہد و تقویٰ جس کا شیوہ اور مسلک آلِ رسول جس کی میراث تھا۔

اس خاندان کا شمار، جونپور کے مقدس خاندانوں میں ہوتا تھا جو امتدادِ زمانہ سے اثر پذیر ہوتا رہا پھر بھی کرار حیدر کی ولادت تک حبِ علی اور ادبی ذوق نسلی امتیاز کی طرح باقی تھا جو سنِ شعور میں غیر محسوس طریقے پر ان کے اندر چھپی ہوئی شاعرانہ شخصیت کو ابھارتا رہا۔ کرآر جونپوری کی ابتدائی تربیت خاندانی طور طریقوں پر ہوئی اور پندرہ سال کی عمر تک وہ گھر پر اردو فارسی اور دینی تعلیم حاصل کرتے رہے۔

پھر لکھنؤ کے ایک انگریزی اسکول میں پڑھا اور علی گڑھ سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔ ان کے والد ۱۹۱۶ء سے کراچی منتقل ہو گئے تھے۔ لہٰذا ۱۹۲۳ء میں وہ بھی کراچی آ گئے اور جہاں این ای ڈی کالج میں تعلیم حاصل کی پھر کاروبار اور ملازمت سے کسب معاش کرتے رہے۔

ادبیت خون میں رچی بسی تھی اور شعر و شاعری خاندانی مزاج تھا پیشہ مختلف ہونے کے باوجود وہ بچپن سے مشقِ سخن کرتے رہے تھے اور انھیں کراچی میں ان حلقوں کی تلاش رہتی جس میں وہ اپنے ذوق کی تسکین کر سکتے۔ یہ موقع انھیں پاکستان بننے کے بعد میسر آیا اور ۱۹۴۹ء میں انھوں نے مارٹن روڈ کی امام بارگاہ میں محفل منقبت کی بنیاد رکھ دی۔

اس کے بعد ڈاکٹر یاور عباس نے اپنے مکان پر مرثیے کی مجلسوں کا آغاز کیا تو کرآر جونپوری اس کے رکنِ رکین بن گئے۔

انھوں نے اب تک غزل، سلام، رباعیات اور قطعات ہی کہے تھے لیکن ان کا اصل ادبی اثاثہ مزاحیہ تھا جس میں انھیں کسی حد تک یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ مذہبیت پاؤں کی زنجیر نہ بنتی تو وہ ایک کامیاب مزاح گو ہوتے اور ظریف لکھنوی کے بعد ان کا نام لیا جاتا مگر مجبوری یہ آ پڑی تھی کہ خانوادۂ سادات کی حرمت راستے کی دیوار بن گئی تھی اور بالارادہ وہ نعت، منقبت، سلام اور رباعیات کہتے رہتے مگر رجحانِ طبیعت طنز پر مجبور کرتا اور کبھی کبھی بے اختیاری میں دشمنانِ اہل بیت کی ہجو کر دیتے۔

آلِ رسولؑ سے عقیدت کا تقاضا اور احباب کا اصرار کچھ اور تھا۔ انجام کار انھیں مرثیے پر توجہ کرنا پڑی اور آخر ایک دن ڈاکٹر یاور عباس کی مجالس مرثیہ میں انھوں نے اپنا پہلا مرثیہ پڑھ دیا۔ پھر اسی ڈگر پر چل پڑے اور یکے بعد دیگرے چودہ مرثیے کہہ ڈالے۔

بحیثیت مرثیہ گو کرارؔ جونپوری کی جگہ کا تعین ذرا مشکل ہے مگر بلا جھجک کہا جا سکتا ہے کہ ان میں ایسی ہر صلاحیت موجود تھی جو انھیں اس صنفِ سخن میں بہت اعلیٰ پائے کا شاعر بنا سکتی۔ دو مرثیوں سے اقتباسات پیش ہیں جو فکرِ رسا اور قدرتِ کلام کی دلیل ہے۔

توحید و رسالت کے بارے میں مختلف النوع تعینات کے اس دور میں کرارؔ جونپوری آنحضرتؐ کے لئے اپنے عقیدے کا اظہار کرتے ہیں تو بڑی سلاست وروانی کے ساتھ کہتے ہیں:

بسم اللہ قرآنِ عقیدت ہیں محمدؐ — طغرائے سرِ لوحِ فضیلت ہیں محمدؐ
مخلوق ہیں اور باعثِ خلقت ہیں محمدؐ — آغاز میں انجام کی صورت ہیں محمدؐ
عالم میں عجب عزت و توقیر سے آئے
تقدیم سے پیدا ہوئے تاخیر سے آئے

شیعوں کے اصولِ دین میں رسالت کے بعد امامت آتی ہے لہٰذا آنحضرتؐ کے تسلسل میں ذکرِ علی ابن ابی طالبؑ ناگزیر ہوتا ہے۔ کرارؔ جونپوری مدحِ حیدرِ کرارؑ کو مقصودِ شاعری قرار دیتے ہیں اور کسی اور کا نام لینا بھی بدعت ٹھہراتے ہیں شاید وہ اپنا پسندیدہ رنگِ سخن چھوڑ دینے کی توجیہہ کرتے ہیں اس موقع پر وہ ذکرِ علیؑ کے عین عبادت ہونے کی حدیث بھی نظم کرتے ہیں اور اسی کو صراطِ مستقیم بتاتے ہیں:

مقصد نہ ہو جو نیک تو وحشت ہے شاعری — مقصد اگر ہو نیک تو حکمت ہے شاعری
نااہل کا بیاں ہو تو بدعت ہے شاعری — ذکرِ امام ہو تو عبادت ہے شاعری
صد شکر گامزن ہوں میں راہِ صواب میں
مشغولِ حق ہوں منقبتِ بوترابؑ میں

غالبؔ نے بندگیٔ بوتراب کو حق کی بندگی کہا تھا۔ شاعرِ جونپور مدحِ علیؑ کو حمدِ باری

تعائی کے مترادف ٹھہراتے ہیں پھر اپنا رخ کربلا کی طرف پھیر دیتے ہیں جو عموماً مرثیہ گوئی کا انداز ہوتا ہے مگر وہ اہلِ کربلا کے بیان سے قبل اپنے طور پر کربلا کا تعارف کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے لئے انھوں نے ایک مخصوص اسلوب اختیار کیا ہے اور استفہامیہ ماحول پیدا کر کے جواب دیا ہے کہ کربلا ضمانت ہے بقائے دین کی اور آبرو ہے شعائرِ اسلام کی:

حیراں ہے فکرِ خام کہ یہ کربلا ہے کیا! آخر یہ ذکر ہوتا ہے کیوں اس کا جا بجا
کیا یہ زمیں دیارِ نبیؐ سے بھی ہے سوا سن اے حریفِ عقل و خرد کیا ہے کربلا
محفوظ دینِ حق کا سفینہ اسی سے ہے
مکہ اسی سے اور مدینہ اسی سے ہے

پھر نوعیتِ جنگ کربلا پر روشنی ڈالتے ہیں اور اس سے ایک نتیجہ اخذ کرتے ہیں:

اس کربلا میں معرکۂ خیر و شر ہوا تاثیر دور رس ہوئی، خود مختصر ہوا
وہ معرکہ جو ایک نئے رخ سے سر ہوا مرنا جہاں وسیلۂ فتح و ظفر ہوا
تھوڑے سے حق شناس لڑے اس شعور سے
کثرت کو آگ لگ گئی وحدت کے نور سے

کربلا کے معرکۂ حق و باطل کا جلی عنوان حسین ابنِ علیؑ کی ذاتِ گرامی تھی جو پیغمبرِ اسلام کی بساطِ ہدایت کا محور و مرکز تھے اور لادینیت جن سے متصادم ہو رہی تھی۔ مگر یہ لڑائی صرف چند گھنٹوں کی نہ تھی، اس کا آغاز ماضی میں ہوا تھا اور اختتام مستقبل میں۔ کرار جونپوری جب اس جنگ کو دیکھتے ہیں تو ان کی نگاہ پیچھے کی طرف دور دور تک جاتی ہے اور انھیں محمد مصطفےٰؐ کے پشت پناہ ابوطالبؑ، ابوسفیان کے مقابلے پر، علی ابن ابی طالبؑ، معاویہ بن ابی سفیان کے سامنے اور حسین ابن علیؑ، یزید کے روبرو ایستادہ نظر آتے ہیں اور وہ توریثِ محمدؐ اور وراثتِ خلافت کو مختصر سے مختصر تر الفاظ میں بیان کر دیتے ہیں:

جاتی تھی راہِ راست حسینؑ شہید تک
پگڈنڈیوں سے پہنچی خلافت یزید تک

لیکن بات تاج وتخت خلافت کی نہ تھی بلکہ کردار یزید اور اعمالِ بنی امیہ کی تھی جس کو اسلام کا نام دیا جارہا تھا۔ شاعر جونپور ان اسباب وعوامل کی صراحت کرتے ہوئے سیرت یزید کو روشنی میں لاتے ہیں:

مکر و فریب، فتنہ و شر، کینہ و جفا — جور وستم، فساد و فسوں، حیلہ و دغا
فسق و فجور، جرم و گنہ، لغزش و خطا — لاف وگزاف و ہرزہ و بہتان و افترا
بیداد ہے، عناد ہے، بغضِ شدید ہے
ان سب خباثتوں کا خلاصہ یزید ہے

تاریخ ہے گواہ کہ یہ دشمنِ خدا — اسلام کا مذاق اڑاتا تھا بر ملا
شق القمر تھا اس کی نگاہوں میں شعبدہ — آیات کا نزول بقول اس کے ڈھونگ تھا
سفیانیت رچی تھی جو اس کے خمیر میں
دل جل رہا تھا بغضِ جنابِ امیرؑ میں

امام حسینؑ کے وارد کربلا کے اسباب بیان کر کے وہ جنگِ کربلا کی نقشہ کشی کرتے ہیں اور مختلف مرثیوں میں شہداء کا تعارف کراتے ہیں پھر حضرت عباسؑ کے نام سے ایک میزان متعین کرتے ہیں:

سہل ہے اس کا تعین کہ وفا چیز ہے کیا — ہر وہ جذبہ ہے وفا، خیر پہ ہو جس کی بنا
جو عمل شر پہ ہو مبنی، وہ جفا ہے بخدا — تلتے ہیں خیر کی میزان میں اقدارِ وفا
خیر و شر میں کوئی ابہام جو باقی رہ جائے
دہر میں لفظِ وفا تشنۂ معنی رہ جائے

رثائی ادب میں صبرِ حسینؑ اور وفائے عباسؑ ضرب المثل ہے۔ ہر مرثیہ گو نے ان دونوں کرداروں پر طبع آزمائی کی ہے مگر کرار جونپوری کا اپنا انداز ہے جو قد وقامت اور تہور و شجاعت دونوں کا آئینہ دار ہے:

صورت ایسی کہ مہ چاردہم سجدہ گزار — سیرت ایسی، جو پسندیدۂ ربِّ غفار
وہ جبیں جس پہ فرشتوں کی عبادت ہو نثار — وہ خد و خال، جو خطاطِ ازل کے شہکار

ہو بہو قامتِ حیدرؑ، قدِ زیبا ایسا
جس کی یوسف کو تمنا ہو سراپا ایسا

دودمانِ بنی ہاشم کا قمر ہے عباسؑ   مرتضےٰؑ شہرِ وفا، شہر کا در ہے عباسؑ
فخر جس پر ہے علیؑ کو، وہ پسر ہے عباسؑ   غازیٔ دشتِ وغا مثلِ پدر ہے عباسؑ

آج بھی ذکر جب اس شیر کا چل جاتا ہے
دل ہر اک رستمِ دوراں کا دہل جاتا ہے

مورخین کا کہنا ہے کہ امامؑ نے حضرت عباسؑ کو جنگ کی اجازت نہیں دی تھی، صرف بچوں کے لئے پانی لانے کو کہا تھا پھر بھی عباسؑ شجاعت حیدر کرارؑ کے وارث تھے، لشکر اعداء میں ان کے نام سے تھرتھری پڑ جاتی تھی۔ کرؔار جونپوری نے ان کیفیات کا نقشہ پیش کرتے ہوئے جذبۂ وفا کو ابھارا ہے اور عباسؑ علمدار جب نہر سے مشک بھر کر نکلے ہیں اور حملہ آوروں میں راستہ بنا کر آگے بڑھتے ہیں تو منظر کشی کی ہے:

اس سے بے فکر کہ تھا سارا بدن خون میں تر   طے کئے جاتے تھے عباسؑ، وفا کا وہ سفر
زخم کھاتے تھے، مگر خیمۂ شہ پر تھی نظر   تیر آتے تھے تو مشکیزے پہ رکھتے تھے سپر

فکر تھی بحرِ وفا کا یہ سفینہ بچ جائے
سینہ چھلنی ہو مگر مشکِ سکینہؑ بچ جائے

گنتی کے ان اشعار سے شاعر کی عظمت کا تعین نہیں ہوتا مگر ایک اندازہ ہو جاتا ہے کہ ماحول ملتا اور وقت مساعدت کرتا تو کرؔار جونپوری رثائی ادب میں اتنا اضافہ کر جاتا جس سے ان کا نام کبھی فراموش نہ ہو سکتا! بحیثیت مجموعی انھیں ایک کامیاب مرثیہ گو کہا جا سکتا ہے اور بارگاہِ سیدہ گو نینؑ سے وہ "مداحِ اہل بیتؑ" کی سند کے مستحق قرار پا سکتے ہیں۔

☆----☆----☆----☆----☆

سلام

سلامی کیوں نہ چشمِ اہلِ دل ہو خونچکاں ابتک
رہا مہماں پیاسا اور دریا ہے رواں ابتک

عزاداری ہے صرفِ طعنہ ہائے این و آں ابتک
رواں ہے دشتِ غربت میں حسینی کارواں ابتک

ہمارے ضبط کا ہوتا رہا ہے امتحاں ابتک
خموشی سے دیا ہم نے جوابِ جاہلاں ابتک

حسینیت مٹانے کی ہے سعی رائیگاں ابتک
لگی تھی آگ سن اکسٹھ میں اٹھتا ہے دھواں ابتک

نبی کی آل کیا بعدِ حسینؑ ان کے غلاموں سے
ہوا بیعت کا طالب پھر نہ کوئی حکمراں ابتک

وفا کا اور شجاعت کا جو ذکر آتا ہے دنیا میں
تو عباسؑ و علیؑ یاد آتی ہیں دو ہستیاں ابتک

بجز شبیرؑ کس کا دم تھا جو یوں سختیاں سہتا
ہوا پھر انقلاب ایسا نہ زیرِ آسماں ابتک

اثر ہے اس سراپا معرفت کے ایک سجدے کا
کہ خاکِ کربلا کے ذرے ذرے میں ہے جاں ابتک

مثال ایسی بلا کے بن میں قائم کر گئے عباسؑ
کہ اقلیمِ وفا میں ان کا سکہ ہے رواں ابتک

فضا میں گونجتی ہے بازگشت آوازِ اکبرؑ کی
سنائی دیتی ہے ہر سو جو یہ بانگِ اذاں ابتک

لبِ خاموش سے یوں کر گیا اک بے زباں تبلیغ
کہ حیراں صورتِ آئینہ ہیں اہلِ زباں ابتک

شرف کیا پوچھتے ہو کربلا کے جانے والوں کا
ہیں عباسِ علیؑ خود زائروں کے پاسباں ابتک

رسائی ایک دن ہوگی درِ سرور پہ اے کرار
اسی اُمید پر ہے اتصالِ جسم و جاں ابتک

مرثیہ

حقا کہ اک عظیم مصور ہے شاعری

عنوان........ شاعری

تعدادِ بند... ۶۸

شاعری

حقا کہ اک عظیم مصور ہے شاعری
نقاشِ مضمرات و مظاہر ہے شاعری
عکاسِ خیال پہ قادر ہے شاعری
صورت گری کی منزلِ آخر ہے شاعری
احساس کو حروف کے پیکر میں ڈھال کے
چہرے اتار لیتی ہے فکر و خیال کے

مضمونِ فاعلات ہی تک شاعری نہیں
ہوتا ہے شعر ندرتِ ترکیب سے حسیں
بندش تمام چست، اسالیب دلنشیں
لفظوں کا سلسلہ صفتِ جوئے انگبیں
شیریں کلام یوں بھی نوائے سروش ہے
ڈھل جائے شاعری میں تو فردوسِ گوش ہے

موزوں کلام باعثِ لطف و سرور ہے
لیکن بہ قصدِ لاف تعقل فتور ہے
تہذیبِ فکر کے لئے رہبر ضرور ہے
دستِ سخن میں خضرِ سخنور شعور ہے
حاصل ہو ذہن کو جو ہدایت شعور سے
ظلمت کدے خیال کے بھر جائیں نور سے

دور از شعور شعر و سخن ہے نقیبِ شر
آباد اس کے دم سے باطل کی رہگذر
مطلق حدِ شعور میں ہو شاعری اگر
جزوِ پیمبری نہیں لیکن پیام بر
کیا پوچھتے ہو اصلِ حقیقت شعور کی
یہ مصحفِ عروض میں سورت ہے نور کی

پھیلا دیئے خرد کے اجالے شعور نے　　گرتے ہوئے ستون سنبھالے شعور نے
سائے شعاعِ نور میں ڈھالے شعور نے　　تاریکیوں میں چاند نکالے شعور نے

بھٹکی کہیں نظر تو نیا موڑ دے دیا
ہر لرزشِ خرد کے لئے توڑ دے دیا

گیسوئے شاعری کو سنوارا شعور نے　　شعر و سخن کا حُسن نکھارا شعور نے
اذہان کو دیا جو سہارا شعور نے　　افکار کی لووں کو ابھارا شعور نے

روشن کئے ضمیر، رچا آگہی کا رنگ
دامانِ شاعری سے اُڑا گمرہی کا رنگ

شاعر خودی شناس ہوا، پھر خدا پسند　　حکمت کے باب وا کئے جو آج تک تھے بند
اقبال شاعری کا خودی سے ہوا بلند　　لیکن خودی بھی ہے کسی جوہر سے بہرہ مند

ذکر ارمغاں کا ہو کہ عجم کی زبور کا
جوہر ورق میں بسا ہے شعور کا

ہموار ہو شعور سے جب نظم کی زمیں　　ہوتا ہے شاہکار ہر اک مصرعۂ حسیں
وہ بات جس میں طولِ سخن کارگر نہیں　　شاعر کی ایک بات سے ہوتی ہے دلنشیں

ہر بیت علم و فضل کا دفتر لئے ہوئے
قطرہ ہو جیسے بر میں سمندر لئے ہوئے

باہر حدِ شعور سے ہو جائے جب قلم　　جامِ سفال بھی نظر آتا ہے جامِ جم
رکھ دے زمینِ نذرِ عقیدت میں گر قدم　　طیبہ میں دیکھے کوچۂ جاناں کا پیچ و خم

دو کاج ایک پنتھ کا یوں درسِ عام دے
لکھے وہ منقبت جو غزل کا بھی کام دے

اجزائے منقبت پہ ذرا کیجئے نظر — صیاد، برق، باد، قفس، آشیاں، شرر
اسلوب مدح کا ہے، نہ ممدوح کی خبر — سودا یہ ہے سراب میں پیدا کرو بھنور

شاعر کو راس آتی نہیں راستی کہیں
سیدھی ہوں انگلیاں تو نکلتا ہے گھی کہیں؟

اک اور طرزِ مدح ہے بے مثل و لاجواب — شاعر سے کُھل سکیں نہ اگر بندشوں کے باب
ہوجائے حُسنِ صوت کے بُتے پہ کامیاب — حیرت ہے، بھیرویں میں ثنائے ابوتراب

ذکرِ امام جذبۂ کامل سے چاہیے
مدحِ علیؑ گلے سے نہیں دل سے چاہیے

سیرت کی محفلوں میں بھی یہ شاعری کا حال — نعتِ رسولؐ صرف بہ عنوانِ خطِ خال
باطن کے تذکرے سے اہم ظاہری جمال — پردے میں ذکرِ حق کے فقط داد کا سوال

جس پر ہو واہ واہ، وہ تکّہ بھی تیر ہے
"جو بات ہے خدا کی قسم بے نظیر ہے"

کچھ نعت و منقبت ہی پہ بجلی نہیں گری — گذری ہے ایسے دور سے ہر صنفِ نظم کی
پہنچی نگار خانوں میں جس وقت شاعری — خالص غزل بھی مشقِ جفا سے نہ بچ سکی

مقبولیت جو مل گئی ذوقِ عوام سے
علمی کلام دب گیا فلمی کلام سے

کیا طرزِ شاعری ہے اس انداز کے نثار — بے رہ روی کو جانیے معیارِ اعتبار
الجھائیے عروض کے گیسوئے تابدار — اسرارِ عشق کیجئے اس رخ سے آشکار

دل میں بسا بسا کے خیالی حبیب کو
تیغِ قلم کی نوک پہ رکھیے رقیب کو

لازم ہے شاعری میں کہ بے رہ روی ہو کم　　جذبات میں نہ حفظِ مراتب ہو کالعدم
پابندیٔ اصول رہے شیوۂ قلم　　بنجر زمین میں نہ رکھے بھول کر قدم

آوارہ فکر ذوقِ سخن کا وبال ہے
مقصد ہو شاعری میں تو سحرِ حلال ہے

لازم ہے شاعری کے لیے مطمحِ نظر　　جو شاعری تعیشِ ذہنی ہو سر بسر
کر دیتی ہے وہ فکرِ سخنور کو در بدر　　مقصد نہ ہو تو چرب زبانی ہے بے اثر

مطلوب کے بغیر طلب بے اصول ہے
منزل نہ ہو تو قطعِ مسافت فضول ہے

ہوتا ہے اعتبار کے قابل وہی کلام　　وابستہ جس سے زیست کی تعمیر کا ہو کام
اندازِ فکر وقف ہو بہرِ مفادِ عام　　مقصد کے تحت چاہیے مشقِ سخن مدام

تخریب سے کبھی نہ علاقہ ہو دور کا
مقصد بہ ذات خود بھی ہو تابع شعور کا

مقصد نہ ہو جو نیک تو وحشت ہے شاعری　　مقصد اگر ہو نیک تو حکمت ہے شاعری
نااہل کا بیاں ہو تو بدعت ہے شاعری　　ذکرِ امام ہو، تو عبادت ہے شاعری

صد شکر گامزن ہوں میں راہِ صواب میں
"مشغولِ حق ہوں منقبتِ بوتراب میں"

پیہم زباں پہ ذکرِ جنابِ امیرؑ ہے　　شام و سحر ثنائے شہِ قلعہ گیر ہے
روشن ولا کے نور سے چشمِ بصیر ہے　　ذرہ نجف کا روکشِ مہرِ منیر ہے

مدّاحِ اہلِ بیتِ رسولِ کریمؐ ہوں
چودہ ہیں میرے طور میں اسا کلیم ہوں

طغرئی نویسِ دفترِ مدحِ امام ہوں صورت گرِ عناصرِ حُسنِ کلام ہوں
لوحِ تعینات پہ نقشِ دوام ہوں ناظم ہوں اور نظم کا خود اک نظام ہوں
سو رنگ سے جو کاشفِ اسنادِ نظم ہوں
مانی بھی مان جائے کہ بہزادِ نظم ہوں

حسانِ بارگاہِ شہِ خاص و عام ہوں بزمِ ادب میں نامِ خدا نیک نام ہوں
کس طرح میں نہ لائقِ صد احترام ہوں مدحت میں جبرئیل کا قائم مقام ہوں
خلعت ملا ہے نظم کو حُسنِ قبول کا
رفعت کی ہے دلیل یہ منبر رسول کا

وقفِ ثنائے بادشہِ کربلا ہوں میں گو بے نوا ہوں، قدسیوں کا ہم نوا ہوں میں
دل کی زباں سے ذاکرِ آلِ عبا ہوں میں بنتِ رسولِ حق کی مجسم دعا ہوں میں
اوجِ فلک سے مرتبۂ بدر پوچھیے
رومالِ فاطمہؑ سے مری قدر پوچھیے

باصد شعور ذاکرِ آلِ رسولؐ ہوں کرتا ہوں میں ثنا سی ثنا، با اصول ہوں
دنیا ہو ناشناس تو میں کیوں ملول ہوں خوش ہوں کہ عندلیبِ ریاضِ بتولؑ ہوں
تعریف کی ہوس، نہ تمنا ہے داد کی
پروا ہے صرف آلِ محمدؐ کے صاد کی

قائم ہے راستی پہ تفکر کا زاویہ شعر و سخن میں تنگ نہیں میرا قافیہ
مانا کہیں کہیں ہے ظرافت کا حاشیہ لیکن نہیں منافیِ آدابِ مرثیہ
رفرف کی سب ہے شان قلم کے گیت میں
معراج کی ہے بات مری بیت بیت میں

مداح اُن کا ہوں، جو ہیں ممدوحِ کردگار
میرا بھی کیا عجب جو فرشتوں میں ہو شمار

مطلوب ہے صلہ، نہ زر و مال و اقتدار
بے لوث مدحِ آلِ نبیؐ ہے مرا شمار

نام و نمود سے، نہ سیاست سے کام ہے
بندہ ہوں اہلِ بیتؑ کا، مدحت سے کام ہے

جز اہلِ بیت، مدح سرائی کے باب میں
جچتا نہیں کوئی نگہہِ انتخاب میں

زر کس شمار میں ہے، غنی کس حساب میں
"دل بادشہ ہے بندگیٔ بوترابؑ میں"

دامن میں اپنے فقر کی دولت لئے ہوئے
بوذر صفت ہوں زر سے کنارہ کیے ہوئے

وردِ زباں ثنائے شہِ خاص و عام ہے
دل مطمئن ہے، کام سے بس اپنے کام ہے

جس میں نہیں کلام، وہ میرا کلام ہے
مدّاحِ اہلِ بیتؑ ہوں، کرّار نام ہے

بچپن سے ہے امینِ سخن گستری زباں
ہے مدحِ اہلِ بیتؑ مری مادری زباں

ہے مرکزِ خیال، جو خیر الوریٰ کی آل
پرواز ہے خیال کی تا عرشِ ذوالجلال

تائیدِ خطِ لوح و قلم ہے شریکِ حال
ہو کس کو اس کلام پہ تنقید کی مجال

مدحت کا حرف حرف اُدھر سے عطا ہوا
اِس حق سے یہ کلام، کلامِ خدا ہوا

میرا شعورِ فکر برائے حسینؑ ہے
حُسنِ شعار، ذوقِ ثنائے حسینؑ ہے

یہ زورِ طبع، اجرِ ولائے حسینؑ ہے
یہ قدرتِ کلام، عطائے حسینؑ ہے

کیونکر نہ آفتابِ سپہرِ شرف ہوں میں
مداحِ شاہزادۂ شاہِ نجف ہوں میں

شمعِ حریمِ لم یزلی، رہ نما حسینؑ　　روشن سراجِ جادۂ صبر و رضا حسینؑ
راہِ وفا میں کشتۂ تیغِ جفا حسینؑ　　بعدِ فنا بھی زینتِ لوحِ بقا حسینؑ

بچپن ہے جس کو تربیتِ مصطفےٰؐ ملی
مقصودِ کن سے فکرِ شعور آشنا ملی

رکھی گئی شعورِ امامت کی یوں بنا　　گہوارۂ شعور تھی زہراؑ کی مامتا
وابستہ بابِ علم سے مکتب شعور کا　　دوشِ نبیؐ تتمۂ درسِ شعور تھا

اس پاک سلسلے سے جو حاصل ہوا شعور
پہلے سنِ شعور سے کامل ہوا شعور

عالم یہ کم سنی میں کمالِ شعور کا　　محبوب تھی نبیؐ کو نواسے کی ہر ادا
طفلی میں لب پہ آگیا جو وعدۂ وفا　　خالق کے اعتبار کا فوری شرف ملا

مانگی دعا جو وارثِ ذبحِ عظیم نے
فطرس کو پر عطا کیئے ربِّ کریم نے

ماہِ تمام، باعثِ مدّیم کرم　　مختارِ خلق، فخرِ ملل، نازشِ اُمم
کس کو بجز حسینؑ و حسنؑ یہ ملا حشم　　کتفِ نبیؐ پہ ناز سے رکھ دے اگر قدم

اتری یہ وحی قبلۂ اربابِ ہوش پر
سجدے کو طول دو کہ نواسا ہے دوش پر

سبطِ رسولؐ، شارحِ مفہوم لا الٰہ　　سائے میں تیغِ شرک کے توحید کا گواہ
ہر کاروانِ حق کے لئے اک چراغِ راہ　　ذہنوں کو نور بخش گئی جس کی ہر نگاہ

وہ حر ہوا جو آپ کے در تک رسا ہوا
کترا کے جو نکل گیا، وہ حرملہ ہوا

بعدِ رسولؐ، ہادیِ ثالث حسینؑ ہے — کل انبیا کی شان کا وارث حسینؑ ہے
گو مبتلائے سیلِ حوادث حسینؑ ہے — ایمان کی حیات کا باعث حسینؑ ہے

دین اور استوار ہوا ہر بلا کے بعد
اسلام زندہ ہوکے رہا کربلا کے بعد

نورِ نگاہِ ضیغمِ داور حسینؑ ہے — چرخِ شرف کا خسروِ خاور حسینؑ ہے
خود اپنے جوئے خوں کا شناور حسینؑ ہے — سر دے جو بات پر وہ دلاور حسینؑ ہے

انساں کو راستی کے ڈگر پر لگا دیا
پیاسے نے فیضِ عام کا دریا بہا دیا

طوفاں کے پار دیں کا سفینہ لگا دیا — آنکھوں کو نور بخش کے بینا بنا دیا
عزت کی زندگی کا قرینہ بتا دیا — مرنے کا ڈھنگ، ڈھنگ سے جینا سکھا دیا

کھولا خود آگہی و خدا آگہی کا در
اک درس گاہِ عام ہے سبطِ نبی کا در

اس در سے آج تک کوئی خالی پھرا نہیں — کس کے لئے کھلا ہوا بابِ عطا نہیں
ناآشنا اثر سے کسی کی دعا نہیں — کہہ دے کوئی کہ دل سے جو مانگا ملا نہیں

قبلِ سوال دولتِ بے انتہا ملے
پوری نہ ہو دعا کہ درِ مدعا ملے

حیراں ہے فکرِ خام کہ یہ کربلا ہے کیا — آخر یہ ذکر ہوتا ہے کیوں اس کا جا بجا
کیا یہ زمیں دیارِ نبیؐ سے بھی ہے سوا — سن اے حریفِ عقل و خرد کیا ہے کربلا

محفوظ دینِ حق کا سفینہ اسی سے ہے
مکہ اسی سے اور مد ۰ اسی

ایثار و سرفروشی و جانبازی و وفا　　احساسِ فرض، جوشِ عمل، جذبۂ ولا
صبر و شکیب، صدق و صفا، زہد و اتقا　　مل جائیں سب تو بنتی ہے تصویرِ کربلا

دیں کی بہار اس چمنِ حق نما میں دیکھ
آ اور نظامِ مصطفوی کربلا میں دیکھ

اس کربلا میں معرکۂ خیر و شر ہوا　　تاثیر دور رس ہوئی، خود مختصر ہوا
وہ معرکہ جو ایک نئے رخ سے سر ہوا　　مرنا جہاں وسیلۂ فتح و ظفر ہوا

تھوڑے سے حق شناس لڑے اس شعور سے
کثرت کو آگ لگ گئی وحدت کے نور سے

جہدِ حسینؑ کھیل کچھ اطفال کا نہیں　　پہلے بھی کوئی معرکہ ایسا ہوا نہیں
اب پھر بپا ہو، اس کا بھی امکاں رہا نہیں　　اک کربلا تھی، ہو چکی، اب کربلا نہیں

بعدِ حسینؑ رن کہیں ایسا پڑا ہے کیا
اے شاعرِ عظیم، یہ "ہر کربلا" ہے کیا

وہ کربلا جو مرکزِ اہلِ نگاہ ہے　　ہر شعبۂ حیات میں مصباحِ راہ ہے
قدسی ہیں سر بہ سجدہ یہ وہ بارگاہ ہے　　یوسفؑ کو آج تک اسی کنعاں کی چاہ ہے

ہاں ضبطِ غم محال ہے، ایوب کی قسم
دل رو رہے ہیں گریۂ یعقوب کی قسم

اب تک وہ قتل گاہ کا نقشہ نظر میں ہے　　وہ قحطِ آب اور وہ دریا نظر میں ہے
لٹتی ہوئی غریب کی دنیا نظر میں ہے　　بیکس کے گرد کثرتِ اعدا نظر میں ہے

سب درپئے قتالِ شہِ مشرقین تھے
دو لاکھ دشمنوں میں اکیلے حسینؑ تھے

ہمدم، دمِ حیات کے آخر نہیں رہے
جتنے تھے ہم سفر وہ مسافر نہیں رہے
وہب و زہیر و ابنِ مظاہر نہیں رہے
تھا جن پہ شہ کو ناز وہ ناصر نہیں رہے
بیدار سب شعورِ وفا کر کے سو گئے
نصرت کا حق بہ خیر ادا کر کے سو گئے

اک دو پہر میں کٹ گیا لشکر ہزار حیف
پردیس میں بچھڑ گئے یاور ہزار حیف
صدمہ پسر کا، داغِ برادر ہزار حیف
غم کس قدر تھے ایک جگر پر ہزار حیف
آفات میں گھرا ہوا زہراؑ کا لال تھا
اس حال میں بھی امتِ جد کا خیال تھا

پیہم یہی تھی کاوشِ فرزندِ بوترابؑ
ہو جائے بس تباہیٔ امت کا سدِ باب
حجت تمام کرنے کی خاطر سوالِ آب
اور اس طرف سے خون کے پیاسوں کا یہ جواب
پامالیٔ اصول ہمارا اصول ہے
حاضر ہے جامِ آب جو بیعت قبول ہے

لاحول پڑھ کے شہ نے کہا یہ نہیں قبول
اپنا اصول یہ ہے کہ بکتے نہیں اصول
بیعت کے مسئلے میں ہے لب ردّ و کد فضول
دو اب خدا کے واسطے اس بحث کو نہ طول
لو بندشوں میں عقدہ کشائی بھی دیکھ لو
دیکھا ہمارا صبر، لڑائی بھی دیکھ لو

یہ کہہ کے کھینچی میان سے شمشیرِ دو زباں
چہرے سے رعبِ فاتحِ خیبر ہوا عیاں
تلوار کیا چلی کہ چلی پیکروں سے جاں
بدنام یوں مٹے کہ نہ باقی رہا نشاں
تربت بنا کے آئی تھی اک شیر خوار کی
غصے میں بڑھ گئی تھی برش ذوالفقار کی

اٹھی، گری، چلی، اِدھر آئی، اُدھر گئی　　دیکھی اُسی کی چال، جہاں تک نظر گئی
سر پر اگر پڑی تو کمر تک اتر گئی　　"دونوں کو ایک وار میں ہموار کر گئی"
اس ولولے سے درپئے جانِ عدو ہوئی
پی پی کے موزیوں کا لہو سرخرو ہوئی

آفت تھی، قہر تھی، غضبِ کردگار تھی　　اُتری تھی آسماں سے، سروں پر سوار تھی
دونوں زباں سے ناریوں پر شعلہ بار تھی　　منہ اہلِ شر کے فق تھے کہ یہ ذوالفقار تھی
اک خلفشار تھا سپہِ زیر دست میں
ماتھوں پہ ہار لکھی تھی خطِ شکست میں

سنبھلا نہ جا رہا تھا سواروں سے زین پر　　گرتے تھے سر فرات میں اور تن زمین پر
کہتے تھے یہ سمیٹ کے روح الامین پر　　لاسیف ہے اسی نے تو کاٹے تھے تین پر
جی بھر کے خون چاٹ لے دشتِ مصاف میں
پھر، تا ظہور رہنا ہے اس کو غلاف میں

سیفِ خدا تھی، حامیِ ظلم و ستم نہ تھی　　ہر ضرب دو جہاں کی عبادت سے کم نہ تھی
عدائے دیں پہ مائلِ لطف و کرم نہ تھی　　سر کاٹتی تھی، نام کی تیغ دو دم نہ تھی
عادل تھی، حق شعار تھی، باطل شکار تھی
اُس قحطِ آب میں بھی بڑی آبدار تھی

رنگِ جدالِ فاتحِ خیبر دکھا دیا　　دم میں نشانِ فوجِ بد اختر گرا دیا
تن تن کے جس لعیں کا اٹھا سر اُڑا دیا　　دشتِ وغا کو قلزمِ احمر بنا دیا
سیلِ بلا کی موج جو بالائے فرق تھی
کُل فوجِ کیں لہو کے سمندر میں غرق تھی

بادل سپاہِ شام کا چھٹ چھٹ کے رہ گیا ٹکڑوں میں ہر شقی کا بدن بٹ کے رہ گیا
اک آن میں پرے کا پرا کٹ کے رہ گیا لاشوں سے دشت کرب و بلا پٹ کے رہ گیا
اک حشر تھا یزید کے لشکر کے واسطے
کفار دے رہے تھے پیمبرؐ کے واسطے

اس شورِ الحفیظ میں نانا کا سن کے نام روکی امامِ وقت نے چلتی ہوئی حسام
پلٹیں رہِ فرار سے افواجِ روم و شام بیکس کے گرد پھر ہوا اعدا کا اژدہام
شیرِ خدا کی تیغ جو دیکھی غلاف میں
روباہ گھر کے آگئے دشتِ مصاف میں

اعدا جو زخم خوردۂ بدر و حنین تھے جبر و قصاص، سب کے یہ دو نصب العین تھے
تیر و سناں کی زد میں شہِ مشرقین تھے پیاسے لہو کے لاکھ تھے، تنہا حسینؑ تھے
ہوتی تھی قتلِ شاہ کی تدبیر چار سو
چلّے چڑھا رہے تھے کماں گیر چار سو

اتنے میں ایک تیر لگا آکے ناگہاں یاد آگئی شہادتِ اصغرؑ کی داستاں
ننھی لحد کو دیکھ کے بولے شہِ زماں بچے ترے جہاد کے قرباں یہ خستہ جاں
زخموں سے تن ہے چور، قدم لڑکھڑاتے ہیں
اب کوئی دم میں، ہم بھی ترے پاس آتے ہیں

بھالا لگا تو پھر گیا نظروں میں وہ سماں کڑیل جواں کے سینے سے کھینچی تھی جب سناں
کتنا کٹھن تھا، باپ کی ہمت کا امتحاں اُس امتحان میں لبِ صابر کا یہ بیاں
بیٹا تمہارے کام یہ بیکس نہ آسکا
شرمندہ ہوں کہ تم کو نہ پانی پلا سکا

ناگاہ ایک گرز سرِ پاک پر پڑا — یاد آ گئے حسینؑ کو عباسؑ با وفا
ایسا وفا سرشت برادر کسے ملا — پابندیوں میں رہ کے جو سر کر گیا وغا
یہ پاس تھا وفا کا دلِ حق شناس کو
آبِ رواں میں بھول گیا اپنی پیاس کو

آواز دی کہ اے مرے غم خوار الوداع — اے یادگارِ حیدرِ کرارؑ الوداع
اے علقمہ کے مالک و مختار الوداع — آخر ہے خیر و شر کی یہ پیکار الوداع
ہوتی ہے اب تمام اسیرِ محن کی جنگ
اے کاش تم بھی دیکھتے اس خستہ تن کی جنگ

یہ کہہ رہے تھے شہ کہ چلے تیر بے پناہ — زخموں سے چور ہو گئے، حالت ہوئی تباہ
حسرت سے مڑ کے دیکھتے تھے سوئے قتل گاہ — شکرِ الٰہ بن کے نکلتی تھی لب سے آہ
جلدی تھی قتل کی سپہِ بد شعار کو
مولا پکارتے تھے ہر اک جاں نثار کو

اے حر کہاں ہو تم، مرے ناصر کہاں ہو تم — بچپن کے دوست، ابنِ مظاہر کہاں ہو تم
اے ابنِ عوسجہ، دمِ آخر کہاں ہو تم — گرتا ہے زین سے یہ مسافر، کہاں ہو تم
اس وقت کام آؤ، تم اپنے امام کے
اٹھو اتار لو مجھے بازو کو تھام کے

مجبور تھے جو موت کے ہاتھوں وفا شعار — لاشیں تڑپ کے رہ گئیں بن میں بہ اضطرار
تھا اس قدر نڈھال محمدؐ کا ورثہ دار — جھکتا تھا اور جھک کے سنبھلتا تھا بار بار
امت کو رحم آیا نہ اپنے امام پر
ناوک برس رہے تھے شہِ تشنہ کام پر

چھایا ہوا تھا مہرِ امامت پہ ابرِ شام　　تصویرِ درد تیروں کی بارش میں تھے امام
دریا کو دیکھتے تھے کبھی جانبِ خیام　　آخر سنبھل سکے نہ فرس پر شہِ انام
جھکنا وہ زین پر پسر بوتراب کا
ہاتھوں سے باگ، پاؤں سے چھٹنا رکاب کا

کیا کیا غم والم کا فسانہ بیاں کروں　　قاتل کا آستین چڑھانا بیاں کروں
خنجر گلوئے شہ پہ چلانا بیاں کروں　　زہراؑ کا قتل گاہ میں آنا بیاں کروں
کوئی نہ تھا جو ناصر و یاور حسینؑ کا
آغوشِ فاطمہؑ میں کٹا سر حسینؑ کا

مر کے بھی چین پا نہ سکا سیدہؑ کا لال　　لاشہ ہوا غریب مسافر کا پائمال
خیمے جلے، اسیر ہوئی مصطفےٰؐ کی آل　　توڑے گئے وہ ظلم کہ جینا ہوا وبال
وہ سیلیاں سکینہؑ کے رخسار کے لئے
وہ اہتمام طوق کا بیمار کے لئے

کرارؔ بس کہ غم سے ہے اب حال دل تباہ　　یہ شاعری ہے ہم صفتِ طاعتِ الٰہ
مضطر نہ ہو جو نامۂ اعمال ہے سیاہ　　شاید یہ کہہ کے بخش دے خالق ترے گناہ
ذاکر حسینؑ کا ہے گناہوں سے کیا ہوا
لے جاؤ اس کو خلد میں، جو کچھ ہوا، ہوا

☆----☆----☆----☆----☆

مرثیہ

کارواں زیست کا ہے گوش برآوازِ سفر

عنوان....... سفر

تعدادِ بند... ۷۳

سفر

کارواں زیست کا ہے گوش برآوازِ سفر
زندگی کٹتی ہے انساں کی بہ اندازِ سفر

ہے یہی سرِّ حیات اور یہی رازِ سفر
جزرو مدِ نبض کا ہے زیر و بمِ سازِ سفر

وقت یوں سلسلۂ شام و سحر تک پہنچا
حرفِ کُن پھیلا تو مفہومِ سفر تک پہنچا

روز و شب ہستیٔ انساں کے ہیں ایامِ سفر
دارِ فانی میں اقامت بھی ہے اقدامِ سفر

کھلتی جاتی ہے حقیقت یہ بہ ہر گامِ سفر
مہد آغازِ سفر تھا لحد انجامِ سفر

رات یوں کٹتی ہے دن ایسے بسر ہوتا ہے
ایک اک تارِ نفس رختِ سفر ہوتا ہے

آمد و رفتِ نفس دورِ شب و روزِ سفر
اطلبو العلم نوائے سبق آموزِ سفر

دل نشیں کیوں نہ ہو حُسنِ نظر افروزِ سفر
گرمیٔ سوزِ تجسس ہے پسِ سوزِ سفر

اس کی تحریک سے تحقیق کے در کُھلتے ہیں
طائرِ فکر کے سمٹے ہوئے پر کُھلتے ہیں

جادۂ فکر میں تعلیم کی ضو لازم ہے
قلبِ احساس میں تحقیق کی رو لازم ہے

ہر نفس ولولۂ کاوشِ نو لازم ہے
تجربہ گاہِ جہاں میں تگ و دو لازم ہے

جز سفر ذوقِ طلب کا کوئی ضامن ہی نہیں
چاہِ پیاسے کی طرف آئے یہ ممکن ہی نہیں

باریابی ہے بجز قطعِ مسافت مشکل
ہاتھ آتی نہیں گھر بیٹھے بشر کو منزل

ارتقا ذہن کا ہوتا ہے سفر سے حاصل
سیرِ گیتی سے جلا پاتا ہے آئینۂ دل

روشنی ہوتی ہے تحقیق کے ہر زینے میں
زلفِ ادراک سنورتی ہے اس آئینے میں

جہدِ ہستی میں سفر دیتا ہے توفیقِ ظفر
کھول دیتا ہے سفر کسبِ کمالات کے در

فرض ہے علم کی تحصیل پئے نوعِ بشر
چین کا بھی اگر اس کے لئے لازم ہو سفر

ہر سفر تجربۂ نو کی ضیا لاتا ہے
متحرک ہو تو انسان سکوں پاتا ہے

کاٹ دیتا ہے سفر پائے طلب کی زنجیر
بنتی ہے گردِ سفر غازۂ حسنِ تدبیر

بے سفر پہنچے نہ منزل پہ خدا کے بھی سفیر
انبیا کو نہ ملی اپنے وطن میں توقیر

گھر سے نکلے ہیں تو تبلیغِ رسالت کی ہے
اور تو اور محمدؐ نے بھی ہجرت کی ہے

سب سے پہلا تھا جنِ خلد سے آدم کا سفر
وہ سفر جس کا ہے لولاک لما پس منظر

آئے آدم سوئے گیتی بہ رضائے داور
صلب میں نورِ محمد کی امانت لے کر

حق یہ ہے مقصدِ کن منزلِ تعمیل میں تھا
اصل مفہومِ خلافت رہِ تشکیل میں تھا

جاعلٌ سے تھی یہی خالقِ اکبر کی مراد
سب سے پہلے تو ہو ویرانۂ عالم آباد

دم سے آدم کے بڑھے رونقِ بزمِ ایجاد
حق پہ قائم ہو خلافت کی حقیقی بنیاد

انبیا آتے رہے پھر اسی مقصد کے لئے
راہ کرتے رہیں ہموار محمدؐ کے لئے

ایک طرف دہر میں آدم تو ہوئے نائب رب — بادۂ علم کی ترویج کا لے کر منصب
اک طرف منکرِ سجدہ نے بھی کھولا مکتب — راہِ حق میں جو بنا آبلہ پائی کا سبب
دخل لغزش کا ہوا بادیہ پیمائی میں
خیر و شر ہو گئے مصروف صف آرائی میں

جادۂ خیر میں یوں خار بچھے گونا گوں — راہِ ہستی کے مسافر کا ہوا حال زبوں
ہوش سے دست و گریباں ہوا ہر گام جنوں — چل گیا ذہن پہ قابیل کے شیطاں کا فسوں
کارگر شاطرِ اوّل کا جو یہ داؤ ہوا
خون کا رنگ رہ زیست میں چھڑکاؤ ہوا

قتل ہابیل سے قائم ہوئی فتنے کی بنا — سلسلہ شر کا چلا، خیر سے رشتہ ٹوٹا
بس کہ انسان کی فطرت ہے مرکب بہ خطا — بھا گئی بوئے گنہ، چھوٹ گئی خوئے وفا
لگ گئی قافلۂ دل کو تباہی کی نظر
رہبرِ وقت سے پھرنے لگی راہی کی نظر

کارواں زیست کا اُس موڑ پہ پہنچا آخر — چھا گیا دیدۂ باطن پہ غبارِ خاطر
پردہ داری سے ہوا قلب منافق قاصر — دل کی بے راہ روی ہو گئی کھل کر ظاہر
غیریت حق سے بڑھی، ظلم کے در کھلنے لگے
شر کے میزان میں اقدارِ خودی تلنے لگے

ایسے عالم میں ہوا نوحؑ کا عالم میں ورود — ہر طرف دور گنہ، سعیِ ہدایت بے سود
قومِ گمراہ پہ اصلاح کی راہیں مسدود — ایک دیوار سی مابینِ عباد و معبود
ہر فسوں کار کی گھٹی میں فسوں کاری تھی
کشورِ زیست پہ شیطاں کی عملداری تھی

وہم نے کر دیا ایوانِ یقیں کو مسمار
راہِ تبلیغ و ہدایت ہوئی دشوار گزار
اب نہ تھا اسکے سوا اور کوئی چارۂ کار
آن کی آن میں نابود ہوں سارے خس و خار

بگڑے ماحول کی تطہیر کا ساماں ہو جائے
رہگزر آمدِ موعود کے شایاں ہو جائے

صلب میں نوحؑ کے تھا نورِ محمدؐ مستور
اور حفاظت تھی بہر حال خدا کو منظور
راہِ تعمیر سے تخریب کے کانٹے ہوئے دور
شکلِ طوفاں میں ہوا قہرِ الٰہی کا ظہور

دم میں باطل کا محل بن کے کھنڈر غرق ہوا
موج وہ آئی کہ کل عالمِ شر غرق ہوا

آبِ جاری جو ملا، دور ہوا حسِ فساد
کشتیٔ نوحؑ ہوئی سیلِ بلا سے آزاد
لے کے ساحل کی طرف اس کو چلی بادِ مراد
جن پہ تکیہ تھا، وہ اسمائے جلی زندہ باد

نام سنتا تھا کہ ہر موج نے رخ موڑ دیا
ناخدا دیکھ کے طوفان نے دم توڑ دیا

دہر کی نشاۃِ ثانی سے بڑھا حق کا وقار
گرچہ جاری رہی باطل کی قدیمی پیکار
وار جو حق پہ کیا، پڑ گیا اوچھا ہر بار
قافلہ بڑھتا رہا، خون اگلتے رہے خار

ہر قدم وقف رہا، منزلِ مقصد کے لئے
راہ ہوتی رہی ہموار محمدؐ کے لئے

خیر کو خیر سے حاصل ہوئی کچھ یک جائی
سر جہاں شر نے اٹھایا وہیں منہ کی کھائی
عشق کی جب ہوئی خلت سے شرف افزائی
دیکھی دنیا نے شراروں میں چمن آرائی

جان پر کھیل گیا یوں رہِ معبود میں عشق
"بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق"

زورِ باطل کا گھٹا، حق کو ہوئی فتح نصیب　　کارواں دین کا ہونے لگا منزل کے قریب
اب وہ وقت آیا کہ معمار بنیں حق کے نقیب　　بیت تعمیر ہوا ایسا کہ ہو شایانِ حبیب

خیر کو جس سے حیاتِ ابدی مل جائے
آنے والے کو جہاں اپنا وصی مل جائے

آ گیا حکمِ مشیت کا جو بر روئے کار　　باندھ کر رختِ سفر گھر سے چلے دو معمار
راستہ جوشِ عمل نے کیا آسان گزار　　بن گیا کحلِ بصر راہِ تمنا کا غبار

رکھا منزل پہ قدم نعرۂ تکبیر کے ساتھ
سعی مشکور ہوئی بیت کی تعمیر کے ساتھ

کچھ اس انداز سے کی خانۂ رب کی تشکیل　　فنِ تعمیر کے جادے کا بنا سنگِ میل
ہو گیا فرض ادا، خم ہوئے سجدے میں خلیل　　ذکرِ رب میں ہوئے ہم دوشِ پدر اسماعیل

اپنی محنت کی براہیم نے اجرت پائی
تھی امامت کی تمنا تو امامت پائی

امتحاں بس کہ ضروری ہے امامت کیلئے　　شرط ایثار کی ہے جذبۂ الفت کیلئے
دل تلا کرتا ہے تفویضِ فضیلت کیلئے　　نصب میزاں ہوئی تصدیقِ محبت کیلئے

ایسے میں عشق کے لب پر یہ صدا ہوتی ہے
سرفروشی تو محبت کی ادا ہوتی ہے

گوشِ خلقت نے سنا حکمِ خداوندِ کریم　　اپنے فرزند کو قربان کرو ابراہیم
سن کے اشارۂ تعمیل میں پائے تسلیم　　بن گیا اوج منیٰ آئینۂ ذبحِ عظیم

درکھلا تکملۂ امرِ موکّد کے لئے
راہ ہموار ہوئی آلِ محمدؐ کے لئے

قافلہ آگے بڑھا، ایک سفر اور کیا
وادیٔ نیل میں پھیلی، مہہ کنعاں کی ضیا

چاک داماں نظرِ سوزنِ عرفاں نے سیا
دل کا نذرانہ زلیخائے عقیدت نے دیا

مصر سے مصر تک انوار کی اک سیل گئی
پرتوِ حُسنِ محمدؐ کی ضیا پھیل گئی

اب نگاہوں میں تھی ساعتِ مسعود کہ جب
نورِ اوّل سے چمک جائے شبستانِ عرب

بس کہ تھی پیشِ نظر خیرگیٔ چشمِ طلب
آزمایا گیا انساں کی نگاہوں کا ادب

طور پر نورِ محمدؐ کا دکھایا جلوہ
قومِ موسیٰؑ کو مگر راس نہ آیا جلوہ

امتحاں ختم ہوا اور کھلے یہ اسرار
چشمِ انساں پہ ابھی کثرتِ انوار ہے بار

دیدۂ خام نگر کو نہیں تابِ دیدار
پختہ کاری ہے ابھی ذوقِ نظر کو درکار

پھر چلا قافلۂ جہد اسی مقصد کے لئے
راستہ اور ہو ہموار محمدؐ کے لئے

چشمِ عبرت کو ضیا دیتا رہا سرمۂ طور
اور بڑھتا بھی رہا دیدۂ ادراک کا نور

پھر بھی ثابت ہوا بالغ نظری ہے ابھی دور
آخرِ کار ہوا ایک مسیحا کا ظہور

روحِ انساں کے لئے چشمۂ حیواں لایا
ابنِ آدم کے ہر اک درد کا درماں لایا

آیا دم توڑنے والوں کیلئے اک دمساز
دور تک گونج گئی دھر میں قم کی آواز

طائرِ روح پلٹنے لگے بعدِ پرواز
کھل گئی آنکھ جب اعجاز پہ دیکھا اعجاز

قلب و قالب کو ملا فیض مسیحائی کا
دور رس ہونے لگا قافلہ بینائی کا

اس طرح ذہنِ بشر کو جو ملی نشو ونما　　سرِ محفل نظر آئے حکماء و علما
علم وحکمت میں ترقی کا عجب رنگ جما　　ارض سے پہنچیں تخیل کی حدیں تا بہ سما

قوتِ عزم نے دریاؤں کے دھارے موڑے
پنجۂ فکر نے افلاک سے تارے توڑے

اس ترقی کی مگر نکلی دو دھاری تلوار　　چل پڑی فکرِ بشر جو بھی ملی راہ گزار
خیر سے بڑھ گئی اس دور میں شر کی رفتار　　کعبۂ دل پہ کیا ابرہۂ فکر نے وار

بحرِ ظلمات میں پھر ذہنِ بشر ڈوب گیا
افقِ جہل میں خورشیدِ سحر ڈوب گیا

ایسا ڈوبا کہ اُبھر آنے کا امکاں نہ رہا　　شکل انساں کی تو باقی رہی انساں نہ رہا
عقل پروان چڑھے جس میں وہ میداں نہ رہا　　شاعری رہ گئی حق گوئی کا عنواں نہ رہا

حُسن کی کھنچنے لگی ایسی رنگیلی تصویر
جس سے شرماتی ہے اس دور کی نیلی تصویر

چھا گئے جہل کے ہر سمت فضا میں بادل　　گھر میں اللہ کے آتے تھے نظر لات و ہُبل
تھا براہیم کی تعمیر پہ آذر کا عمل　　دفعتاً جوش میں آیا کرمِ عزّ و جل

ہوا مقصود کہ باطل تہ و بالا ہو جائے
تا ابد عالمِ امکاں میں اُجالا ہو جائے

کثرتِ شرک میں وحدت کا شرارا چمکا　　ظلمتِ کفر میں اسلام کا تارا چمکا
غم کے ماحول میں خوشیوں کا سہارا چمکا　　طور کے بعد وہی نور دوبارا چمکا

طالبِ دید تجلّی کا خزانہ دیکھے
لن ترانی کی نہیں قید، زمانہ دیکھے

فرش والوں کی طرف عرش نشیں آتا ہے — باعثِ خلقتِ افلاک و زمیں آتا ہے
چرخِ لولاک کا وہ مہرِ مبیں آتا ہے — جسکے دیکھے سے مشیت پہ یقیں آتا ہے

دل غنی ہو گئے انساں نے وہ دولت پائی
آمنہ جس کی امیں تھیں وہ امانت پائی

ہر نبی جس کا مبشر وہ اولوالعزم نبی — فخر خود جس کے نسب پر کرے عالی نسبی
وہ لقب صلِّ علیٰ جس پہ فدا خوش لقبی — مصطفیٰ سیّد مکی مدنی العربی

تاجدارانِ نبوت کا جو سرتاج رہا
ہر سفر میں جو سراجِ سرِ منہاج رہا

کارواں منزلِ اتمامِ شرف پر آیا — بن کے تہذیب و تمدن کا مقدر آیا
خضر و الیاس کا مانا ہوا رہبر آیا — زحمتیں دور ہوئیں، رحمتِ داور آیا

خُلق رائج ہوا، دامانِ ستم چاک ہوا
زنگ سے آئینۂ فکرِ بشر پاک ہوا

اُٹھ گیا غیرِ الٰہی کی پرستش کا رواج — تخت باقی رہے پتھر کے خداؤں کا نہ تاج
پاک کانٹے سے دوئی کے ہو بندوں کا مزاج — فخرِ عیسیٰ نے کیا دیدۂ احول کا علاج

ذہنِ ابلیس کے بگڑے ہوئے خاکے نکلے
آبرو کھو کے صنم گھر سے خدا کے نکلے

بجھ گیا شرک کا دل، جل اٹھے وحدت کے دیئے — راہ ہموار ہوئی، دینِ محمدؐ کے لیئے
راہرو جادۂ تعمیر میں مر مر کے جیئے — کارواں رک نہ سکا، لاکھ جتن شر نے کیئے

لامکاں والے حدِ کون و مکاں تک پہنچے
منزلیں کتنی ہوئیں طے تو یہاں تک پہنچے

آج ہے بحر کی تسخیر کا جن کو دعویٰ　　درسِ عبرت ہے انہیں نوح کا پہلا بیڑا
زعم بے جا ہے جنہیں آج کے طیاروں کا　　دیکھ لیں تختِ سلیماں کو سرِ دوشِ ہوا
چاند تک جا کے خلا گرد نہ دل شاد کریں
شبِ معراج محمدؐ کا سفر یاد کریں

وہ سفر ارض و سماوات کی تقریبِ سعید　　گردِ پا مشتری و زہرہ و ماہ و خورشید
تھی جو مطلوب کا طالب کی طرف سے تائید　　بعد منزل نہ رہا نیتِ قربت سے بعید
فرشِ گیتی سے چلے، بزمِ صمد تک پہنچے
طرفۃ العین میں قوسین کی حد تک پہنچے

یہ سفر وقف تھا تخصیصِ فضیلت کیلئے　　اک تعین تھا کمالِ بشریت کیلئے
آخری حدِ عروجِ اوّلِ خلقت کیلئے　　اک چراغ، ایک نشاں چشمِ بصیرت کیلئے
گردشِ ارض رُکی، دورِ قمر ختم ہوا
وقت ساکن رہا جب تک نہ سفر ختم ہوا

اک سفر اور ہوا نشرِ شریعت کے لیئے　　جبکہ ہجرت تھی اہلِ حق کی حفاظت کیلئے
حکم جاری جو ہوا، قطعِ مسافت کیلئے　　جاں نثاروں نے کمر باندھ لی نصرت کیلئے
مثلِ بوئے گلِ تر صحنِ چمن سے نکلے
کہہ کے لبیک وفا کیشِ وطن سے نکلے

واہوئے دینِ خدا کیلئے اب فتح کے در　　جس کے شاہد احد و خندق و بدر و خیبر
ہر سفر حق کی ظفر بن کے رہا سرتاسر　　اور آخر میں وہ اعلانِ ولایت کا سفر
وحیٔ بلّغ کا نزول اور وہ خم کی منزل
مل گئی دین کو اکملت لکم کی منزل

کچھ سفر اور ہوئے بعدِ حبیبِ یزداں — امتحاں جرأت و ایثار کے وافر تھے جہاں
کارواں سر سے کفن باندھ کے ہوتے تھے رواں — جان کو ہار کے جیتے گئے ہیں کچھ میداں

وہ سفر جن میں ہر اک گام پہ آلام ملے
سرفروشوں کو شہادت کے جہاں جام ملے

اک سفر نقش ہے تاریخ کی پیشانی پر — یعنی یثرب سے وداعِ دل و جانِ حیدرؑ
شبِ تاریک میں خورشیدِ امامت کا سفر — جسم سے روح کی رخصت کا ہو جیسے منظر

شہرِ یثرب سے جدائی ہوئی یوں سرور کی
شمع تھرانے لگی تربتِ پیغمبرؐ کی

ہائے وہ رخصتِ شبیرؑ کا پُر درد سماں — قلبِ صغراؑ سے وہ اٹھتا ہوا آہوں کا دھواں
تابِ رخصت تھی نہ ہمراہی کا امکاں — دیکھتی تھی رخِ مادر کو بہ چشمِ گریاں

آہ کرتی تھی تو گھر بھر کو رُلا دیتی تھی
دل لرزتے تھے جب اصغرؑ کو صدا دیتی تھی

یہ قیامت تھی اِدھر اہلِ حرم میں اور اُدھر — جمع ہوتا تھا جو سامان تھا درکارِ سفر
انتظامات کی تفصیل پہ تھی سب کی نظر — ہر طرف زین کسی جاتی تھی رہواروں پر

بار برداروں پہ پالان دھرے جاتے تھے
جتنے مشکیزے تھے پانی سے بھرے جاتے تھے

تھی یہ عباسؑ کی تاکید، کہ پانی نہ ہو کم — سخت گرمی کا زمانہ ہے، فضا ہے برہم
راہ میں گر کوئی مل جائے عطش سے بےدم — کہیں ایسا نہ ہو مہمان سے شرمندہ ہوں ہم

پاس ہر طرح کے آرام کا سامان رہے
بی بیاں ساتھ ہیں پردے کا ذرا دھیان رہے

یوں مدینے سے چلا قافلۂ اہلِ وفا
فتح نے جوشِ عقیدت سے قدم چوم لیا
اقربا چار طرف، یاور و ناصر یک جا
ہر قدم پیشِ نظر اہلِ حرم کا پردہ

جب ہوا پردۂ محمل کو ہلا دیتی تھی
سارے لشکر کی نگاہوں کو جھکا دیتی تھی

تھا دلِ اہلِ حرم پر یہ سفر نقش ابھی
کہ سرِ کرب و بلا سر پہ قیامت ٹوٹی
پھر گئی چشمِ جہاں، ذبح ہوئے سبطِ نبیؐ
خیمے لوٹے گئے، چادر سرِ زینبؑ سے چھنی

لے چلے اہلِ جفا، کشتۂ آلام چلے
قید ہو کر حرمِ شاہ سوئے شام چلے

دشتِ غربت میں تھا اک مرگِ مسلسل یہ سفر
نہ کجاوہ تھا نہ محمل تھی، کوئی ناقوں پر
بی بیاں مجمعِ اشرار میں تھیں ننگے سر
کسی چہرے پہ نہ پردہ تھا نہ سر پر چادر

اب نہ قاسمؑ تھے، نہ عباسؑ، نہ اکبرؑ باقی
کیا کریں جب کوئی وارث نہ ہو سر پر باقی

قافلہ آلِ محمدؐ کا چلا، جانبِ شام
چین مفقود تھا، نایاب سکون و آرام
تھا یہ شہزادیوں کا حال کہ شرمائیں غلام
سانس بھی ہونٹ تک آتی تھی با کراہ تمام

ظلم توڑا کیے ہر گام ستانے والے
شکر کرتے رہے صابر کے گھرانے والے

آگے آگے تھا لٹے قافلے کے اک بیمار
کانپتے ہاتھوں میں تھامے ہوئے ناقوں کی مہار
طوق کا بوجھ، وہ ضعف، اور وہ زنجیر کا بار
تپ کی شدت تھی کہ ایک ایک قدم تھا دشوار

خون رستا تھا جو زخموں سے تو تھراتا تھا
درّے پڑتے تھے جو دم لینے کو رک جاتا تھا

نوکِ نیزہ پہ اُدھر سارے شہیدوں کے سر بن کے اس قافلۂ بے سر و ساماں کی سپر
جذب کرتے رہے رہگیروں کی آوارہ نظر کہ نہ پڑ جائے کہیں بی بیوں کے چہروں پر

کر رہے تھے حرمِ شہ کی حفاظت اب بھی
حدِ امکاں میں کئے جاتے تھے نصرت اب بھی

دفعتاً ایک دوراہے پہ جو لشکر پہنچا اک طرف بڑھنے کو حکمِ پسرِ سعد ہوا
رک گیا نیزہ وہ، جس پر تھا سرِ شاہِ ہدا اور بہ اعجاز وہ سر دوسری جانب کو جھکا

بارور اہلِ جفا کی کد و کاوش نہ ہوئی
لاکھ چاہا مگر اُس نیزے کو جنبش نہ ہوئی

جب کسی طرح بھی لشکر کا قدم بڑھ نہ سکا ہو کے مجبور سرِ شہ کے اشارے پہ چلا
الغرض صاحبِ اعجاز کے حسبِ منشا کارواں قلعۂ شیریں کے برابر پہنچا

نصب خیمے ہوئے، گھوڑوں سے جفا کار اُترے
خاک پر سبطِ پیمبرؐ کے عزادار اُترے

اُس طرف خواب میں شیریں کو بشارت یہ ہوئی اُٹھ کہ آئی غمِ دوری سے رہائی کی گھڑی
مضطرب یاد میں جس کی تو رہا کرتی تھی تیری بستی کی طرف آتے ہیں وہ سبطِ نبیؐ

تجھ کو یہ فخر ترے جوشِ ولا نے بخشا
میزبانی کا شرف شاہِ ہدیٰ نے بخشا

سن کے یہ مژدۂ جاں بخش و مسرت آگیں بخت بیدار ہوا، خواب سے چونکی شیریں
آمدِ شہ کی خبر لائی نویدِ تسکیں کھل اٹھا قلب جھکی سجدے میں جبیں

عرض کی شکر ہے یارب کہ پھرے دن میرے
تیرا احساں ہے کہ گھر آتے ہیں محسن میرے

سر کو سجدے سے اٹھا کر کیا شوہر سے کلام
میں نہ کہتی تھی کہ آئیں گے کبھی میرے امام
یہیں اترا ہے کہیں قافلۂ شاہِ انام
جا کے پہنچا مرے مولا کو یہ میرا پیغام

وعدہ فرمایا تھا اک بار ادھر آنے کا
قصد حضرت کا ہے کب تک مرے گھر آنے کا

سُن کے یہ شوہرِ شیریں پئے تعمیل چلا
پوچھتا پوچھتا لشکر کی طرف جا پہنچا
ایک خیمے کے قریں رک کے یہ درباں سے کہا
بھائی فرزندِ پیمبر کو خبر کر دو ذرا

عرض کرنا کہ کوئی بہرِ سلام آیا ہے
باریابی کے لئے ایک غلام آیا ہے

کہا درباں نے کہ شاید یہ نہیں تجھ کو خبر
اب ملے گا نہ تجھے فاطمہؑ زہرا کا پسر
قتل کر کے اُسے آیا ہے یہ شامی لشکر
سامنے دیکھ وہ نیزوں پہ شہیدوں کے ہیں سر

سر وہ اکبر کا، وہ عباسؑ جری کا سر ہے
سب سے آگے وہ حسینؑ ابن علیؑ کا سر ہے

ہو گیا سبطِ پیمبرؐ کا بھرا گھر برباد
حد ہے بچے بھی ہوئے کشتۂ جور و بیداد
پا بہ زنجیر کھڑے ہیں، وہ جنابِ سجادؑ
اور وہ ہیں بیٹیاں زہراؑ کی ملول و ناشاد

گردِ صحرا ہے مدینے کے مکینوں کیلئے
خاک کا فرش ہے اب عرش نشینوں کیلئے

سن کے یہ شوہرِ شیریں کا عجب حال ہوا
فرطِ اندوہ سے روتا ہوا واپس آیا
جا کے زوجہ سے بیاں قصۂ جانکاہ کیا
لٹ گئی آلِ نبی، قتل ہوئے شاہِ ہدا

خون روتے ہیں حرم نالہ و فریاد کے ساتھ
قید میں ثانیٔ زہراؑ بھی ہے سجادؑ کے ساتھ

قلبِ شیریں پہ گرا ٹوٹ کے اک کوہِ الم ننگے سر گھر سے چلی نوحہ کناں سوئے حرم
غم سے یہ حال تھا تھرّاتی تھی ایک ایک قدم کہتی جاتی تھی کہ ہے ہے یہ ہوا کیسا ستم
یوں تو معلوم تھا دعدے کو نبھائیں گے امام
یہ خبر کس کو تھی اس طرح سے آئیں گے امام

دفعتاً پڑ گئی شیریں پہ نظر بانو کی کیوں نہ پہچانتیں آخر تھی انہیں کی لونڈی
بولیں زینبؑ سے غضب ہو گیا اے بنتِ علیؑ یہ تو شیریں ہے ہمیں دیکھ کے کیا سوچے گی
کل جسے قید سے آزاد کیا تھا بی بی
آج وہ قید میں دیکھے گی یہ کنبہ بی بی

پاس آئے گی تو میں بات کروں گی کیونکر نہ چھپا لیتی جو ہوتی مرے سر پہ چادر
شاہزادی جسے کل کہتی تھی وہ نیک سیر آج دیکھے گی اُسی کو وہ بہ حالِ ابتر
کیسے شیریں سے چھپوں ہائے کدھر جاؤں میں
اس ندامت سے تو بہتر ہے کہ مر جاؤں میں

رو کے زینبؑ نے کہا دل کو سنبھالو بھابی اتنے دکھ جھیلے ہیں، یہ دکھ بھی اٹھا لو بھابی
آئے شیریں تو کلیجے سے لگا لو بھابی خاک پر اپنے برابر ہی بٹھا لو بھابی
بو ترابی کیلئے فرشِ بیاباں ہے بہت
ہم مسافر ہیں یہی خاطرِ مہماں ہے بہت

ہم اگر حق پہ ہیں بھابی تو تردّد کیسا دل غنی ہے تو غمِ بے سروسامانی کیا
وجہِ شوکت نہیں کچھ مال و متاعِ دنیا فقر پر فخر کرے وہ ہے گھرانا اپنا
حق سے ہٹ کر جو چلے اس کیلئے ذلّت ہے
قید ہیں راہِ خدا میں، بڑی عزت ہے

کیا تمہیں یاد نہیں، آیا تھا جب حُرِ جری
کیسی حسرت سے اُسے دیکھ رہے تھے بھائی

جس کے در سے کبھی سائل بھی نہ لوٹا خالی
اس سے مہماں کی مدارت بھی ممکن نہ ہوئی

کچھ دعائیں تھیں، پہ کچھ آنسو شہِ دلگیر کے پاس
نذرِ مہماں کیا جو کچھ بھی تھا شبیرؑ کے پاس

پاس اپنے بھی ہیں اے بانوئے سلطانِ زمن
درد و غم، آہ و فغاں، سوز و خلش، رنج و محن

آبلے پاؤں کے، دکھتے ہوئے بازو کی رسن
سر کی خاک، آنکھ کے آنسو، دلِ مضطر کی جلن

اپنا شیوہ ہے کہ جو کچھ ہو بضاعت دے دیں
جو بھی آئے غمِ شبیرؑ کی دولت دے دیں

بس کہ اب تابِ تکلم نہیں باقی کرار
وادیِ خیر ہمیشہ رہی دشوار گزار

کارواں دیں کا یہ ہر دور رہا خوش رفتار
صفی اللہ سے تا زینبؑ عالی کردار

تھا سفر کا یہ تسلسل اسی مقصد کے لئے
راہ ہموار رہے دینِ محمدؐ کے لئے

☆----☆----☆----☆----☆

سلام

غلامِ بارگہِ بوتراب ہو کے رہے
رہِ نجات میں ہم کامیاب ہو کے رہے

مزا ہی کیا جو فقط ہمرکاب ہو کے رہے
رہے تو نفسِ رسالتمآبؐ ہو کے رہے

علیؑ جو علم رسالت کے باب ہو کے رہے
فقیر در کے بھی شیخ وشاب ہو کے رہے

ہے ایک ذرۂ خاکِ نجف بہر صورت
زمین پر رہے یا آفتاب ہو کے رہے

مقامِ زہد میں کیا ہوگی اس کی بیداری
جو صرفِ طاعتِ رب محوِ خواب ہو کے رہے

غدیرِ خم سے بہت پہلے ہی شب ہجرت
علیؑ وصیِ رسالتمآبؐ ہو کے رہے

وسیلہ ایسا تو ہو عرضِ مدعا کے لئے
اِدھر دعا ہو اُدھر مستجاب ہو کے رہے

جگر پہ داغ بہتر اٹھا کے پیری میں
حسینؑ دینِ نبیؐ کا شباب ہو کے رہے

بجز حسینؑ کوئی میہماں نہیں ایسا
کنارِ نہر جو محرومِ آب ہو کے رہے

محلِ صبر میں بن جاتی ہے پروہ تیغ
جو معرکہ میں خدا کا عتاب ہو کے رہے

بنائے تیغ ید اللہ تربتِ اصغر
جہاں میں ایسے بھی کچھ انقلاب ہو کے رہے

فرشتے آکے پسِ مرگ لے گئے کرّار
درِ حسینؑ پہ ہم باریاب ہو کے رہے

مرثیہ

گلزارِ مدّیت کا گلِ تر حسینؑ ہے

عنوان....... گلزارِ مدّیت

تعدادِ بند... ۶۳

گلزارِ منّیت

گلزارِ منّیت کا گلِ تر حسینؑ ہے
چرخِ شرف کا خسروِ خاور حسینؑ ہے
مرکز نبی ہے، دین کا محور حسینؑ ہے
ایماں کا تابناک مقدر حسینؑ ہے

پائندہ اس سے دین کے پانچوں اصول ہیں
یہ ہے رسولِ پاک سے اس سے رسول ہیں

ہر چند منّیت کی روایت ہے معتبر
یہ بھی ہے آج صیدِ تنگ ظرفیٔ بشر
کچھ لوگ جانتے ہیں غلط اس کو سر بسر
بہتان اسے بتاتے ہیں ختمی مآب پر

کہتا ہے اک خطیبِ بلاغت نظام کا
یہ قول ہی نہیں ہے رسولؐ انام کا

بالفرض اگر یہ قولِ شہِ مرسلیں نہیں
شبیرؑ ہیں رسولؐ سے اس کا تو ہے یقیں
یہ بھی ہے سچ، یزید جو بنتا امینِ دیں
کلمہ نبی کا آج نہ پڑھتا کوئی کہیں

پائندہ نامِ بانیٔ دیں ہے حسینؑ سے
کہیے رسولؐ ہے کہ نہیں ہے حسینؑ سے

حاصل ہے جس سے دیں کو متاعِ تونگری
اک سجدۂ حسینؑ ہے، اک ضربِ حیدری
شاہی کا نصب عین تھی امت کی ابتری
کام آگئی حسینؑ کی اسلام پروری

رکھتا نہ یہ بچا کے جو اس بد دماغ سے
"لگ جاتی گھر کو آگ یزیدی چراغ سے"

دینِ خدا کی نشاۃِ ثانی کا بندوبست — یوں کربلا میں کر گیا یہ مردِ حق پرست
حق سربلند ہو گیا باطل کو کر کے پست — مظلومیت نے ظلم کو دی دائمی شکست

اعجازِ عیسوی سرِ مقتل دکھا دیا
خود موت کو بقا کا وسیلہ بنا دیا

مانا کہ کربلا میں لٹا گھر حسینؑ کا — لیکن شکست و فتح کا آساں ہے فیصلہ
شبیرؑ سے بر آیا مشیت کا مدعا — تاریخ کیا کہے گی اسے فتح کے سوا

قوتِ عمل سے ردِ عمل کی مزید ہے
"قتلِ حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے"

خود سوچئے یزید کجا اور کجا حسینؑ — رہزن رہِ حیات کا وہ، رہ نما حسینؑ
وہ تیرگیٔ شام، سحر کی ضیا حسینؑ — وہ قصرِ ظلم و جور، سپہرِ وفا حسینؑ

ہر دور میں یزید کی مٹی خراب ہے
ہر زاویے سے سبطِ نبیؐ کامیاب ہے

ایثار و سرفروشی و جانبازی و وفا — احساسِ فرض، جوشِ عمل، نصرتِ خدا
صبر و شکیب، صدق و صفا، زہد و اتقا — جود و سخا و مہر و کرم، بخشش و عطا

ہر وصف جو بشر کیلئے وجہِ زین ہے
اُن سب صفاتِ خیر کا مظہر حسینؑ ہے

مکر و فریب، فتنہ و شر، کینہ و جفا — جور و ستم، فساد و فسوں، حیلہ و دغا
فسق و فجور، جرم و گنہ، لغزش و خطا — لاف و گذاف و ہرزہ و بہتان و افترا

بیداد ہے، عناد ہے، بغضِ شدید ہے
ان سب خباثتوں کا خلاصہ یزید ہے

تاریخ ہے گواہ کہ یہ دشمنِ خدا
اسلام کا مذاق اڑاتا تھا بر ملا
شق القمر تھا اس کی نگاہوں میں شعبدہ
آیات کا نزول بقول اس کے ڈھونگ تھا
سفیانیت رچی تھی جو اس کے خمیر میں
دل جل رہا تھا بغضِ جنابِ امیرؑ میں

بدظن تھا شرعِ مصطفویؐ سے یزیدِ شوم
جاری کیے تھا دورِ جہالت کے سب رسوم
رہتا تھا اس کی بزم میں رقاصوں کا ہجوم
کٹتے تھے لہو و لعب میں دن رات بالعموم
یک جا جو گمرہی کے سب اسباب ہو گئے
ایمان و ہوش غرقِ مئے ناب ہو گئے

یوں اس پہ اقتدار مسلط کیا گیا
رکھا گیا لحاظ نہ قول و قرار کا
صلحِ حسنؑ کے عہد رہے تشنۂ وفا
بوتے پہ مکر و کید کے مسند نشیں ہوا
جاتی تھی راہ راست حسینؑ شہید تک
پگڈنڈیوں سے پہنچی خلافت یزید تک

باطل نواز بن گیا، خود ساختہ امیر
خیر العمل کے سر پہ مسلط ہوا شریر
افراطِ زر کو دیکھ کے بکنے لگے ضمیر
بے دست و پا کو مان لیا سب نے دستگیر
مختارِ دیں وہ جرعہ کشِ خمر بن گیا
ابلیس کا غلام اولوالامر بن گیا

بے دین نے پہن تو لیا دین کا لباس
لیکن یہ سوچ سوچ کے رہتا تھا بدحواس
موجود بھی زمانے میں ہیں ایسے حق شناس
جن کو نظامِ مصطفوی کا بہت ہے پاس
ہر حال میں تحفظِ حق جن کا کیش ہے
اُن میں حسینؑ ابنِ علیؑ پیش پیش ہے

صبر و سکوں سے گوشہ نشیں ہے وہ نیک خو   دولت کی ہے تلاش، نہ حشمت کی جستجو
خواہش ہے تخت کی، نہ حکومت کی آرزو   شہرہ ہے اس کے علم و عمل کا چہار سو
بیعت ملے جو ایسے شریعت مدار کی
محکم اساس ہو اموی اقتدار کی

یہ سوچ کر حسینؑ سے بیعت طلب ہوا   ہادی سے گمرہی کی سند مانگنے لگا
گفت و شنید سے جو نہ بر آیا مدعا   دھمکی بھی دی قتال کی اور جبر بھی کیا
تھی جس کی آرزو وہ قیامت نہ مل سکی
لعنت تو مل گئی اُسے، بیعت نہ مل سکی

سردار خلد خواہشِ دنیا نہ کر سکا   نا اہل سے تعاونِ بے جا نہ کر سکا
آنچ آئے دین پر، یہ گوارا نہ کر سکا   برحق امام اصول کا سودا نہ کر سکا
خالی امیرِ شام کا ہر وار کر دیا
بیعت سے صاف لفظوں میں انکار کر دیا

اب شاہ کا مدینے میں رہنا محال تھا   آلِ نبی کی جان کے درپے تھے اشقیا
نزدیک تھا کہ شہرِ نبیؐ میں چھڑے وغا   یہ وقت تھا کہ وعدۂ طفلی کریں وفا
پائی نہ جائے امن و اماں جب امام نے
چھوڑا وطن حسین علیہ السلام نے

کعبے کو لے کے گھر سے روانہ ہوئے امام   بطحا میں قصدِ حج سے کیا کچھ دنوں قیام
پہنچے وہاں بھی قتل کی نیت سے اہلِ شام   ارکانِ حج بھی کر نہ سکے شاہِ دیں تمام
آخر ٹھہر نے پائے نہ کعبے میں چین سے
چھوٹا خدا کا گھر بھی شہِ مشرقین سے

گرمی کے دن تھے اور نہ چشمہ کہیں نہ چاہ
وہ لُو کہ جس میں حال مسافر کا ہو تباہ
ایسے میں سوئے کوفہ چلے شاہِ دیں پناہ
رستے میں آ کے حُر کے رسالے نے روکی راہ
تھی معرفت ابھی جو نہ اُس نیک نام کو
دشتِ بلا میں گھیر کے لایا امام کو

وہ خلد کی فضا، وہ بیابانِ نینوا
وہ ٹھنڈی ٹھنڈی نہر سے آتی ہوئی ہوا
ایسی زمیں کو چھوڑ کے جانا ہے ناروا
ہونا ہے جس کی خاک کو ہر درد کی دوا
یہ خاکِ پاک فخرِ جبینِ نیاز ہے
وہ سجدہ گاہ جس پہ عبادت کو ناز ہے

اربابِ حق پرست کی منزل ہے یہ زمیں
ہر عزّ و احترام کے قابل ہے یہ زمیں
کعبہ پکارتا ہے مرادل ہے یہ زمیں
تخلیقِ کائنات کا حاصل ہے یہ زمیں
خم اس زمیں کے سامنے دارالنعیم ہے
دامن میں فرشِ خاک کے عرشِ عظیم ہے

پرتو سے نورِ حق کے منوّر ہے یہ زمیں
کل رفعتوں سے اوج میں برتر ہے یہ زمیں
ام القریٰ کی شان کی ہمسر ہے یہ زمیں
دینِ محمدیؐ کا مقدر ہے یہ زمیں
ہر ذرّہ فیضِ عام کی اک کائنات ہے
مرنا بھی اس زمیں پہ دلیلِ حیات ہے

معلوم تھا یہ علمِ امامت سے شاہ کو
مرنا یہیں ہے آلِ رسالتؐ پناہ کو
کر کر کے شکر دیکھتے تھے قتل گاہ کو
ہموار کر رہے تھے شہادت کی راہ کو
فرمایا، تا ابد یہیں اپنا قیام ہے
اترو مسافرو، کہ سفر اب تمام ہے

اترا یہ سن کے آلِ محمدؐ کا کارواں
دو دن کے بعد آنے لگے دشمنانِ جاں
اس بات پر مصر ہوئے آ کر وہ بدگماں
خیمے ہٹا لیں نہر سے سلطانِ دو جہاں
اور اک ستم کیا یہ شہ خاص و عام پر
ہفتم سے بند کر دیا پانی امام پر

جاری رہی جو آمدِ افواجِ بد سیر
صبح نہم تک آ گئے دو لاکھ اہلِ شر
مہلت امیرِ شام سے اک شب کی مانگ کر
دسویں کی رات شہ نے عبادت میں کی بسر
مشغول یاں دعاؤں میں سبطِ رسولؐ تھا
واں رحمتوں کا حرؑ جری پہ نزول تھا

جیسے ہی شاہِ دیں کی دعائیں ہوئیں تمام
تقدیرِ حُر سے دور ہوئی تیرگیٔ شام
سوچا کہ ہیچ ہے یہ زر و مال و احتشام
مجرم ہوں، جاؤں بہرِ تلافی سوئے امام
گل ہو جو شمعِ زیست تو تابندگی ملے
کفّارہ جاں کا دوں، ابدی زندگی ملے

بیدار بخت ہو کے وہ اٹھا دمِ سحر
خیمے سے نکلا بھیج کے لعنت یزید پر
شامل حسینیوں میں ہوا آ کے نامور
عصیاں کے داغ دھولئے قدموں پہ رکھ کے سر
تاخیر کر کے آیا تھا، پہلے فدا ہوا
بسم اللہ صحیفۂ کرب و بلا ہوا

نصرت کو حُر کے بعد گئے ناصرانِ شاہ
تا ظہر ختم ہو گئی یہ مختصر سپاہ
نکلے پئے جہاد محمدؐ کے رشکِ ماہ
لوٹا نہ کوئی جو بھی گیا سوئے قتل گاہ
روشن جہاں میں نام وفا کر کے سو گئے
کیا کیا عزیز جان فدا کر کے سو گئے

خوں میں نہائے حضرتِ زینبؑ کے گلعذار — رن میں شہید ہو گیا شبرؑ کا یادگار
عباسؑ دے کے دادِ شجاعت ہوئے نثار — برچھی ہوئی شبیہِ پیمبرؐ کے دل کے پار
یہ حدِّ ظلم تھی سپہِ بدشعار کی
تیرِ اجل سے پیاس بجھی شیرخوار کی

تھا شہ کو جن پہ ناز وہ ناصر نہیں رہے — وہبؑ و زہیرؓ و ابنِ مظاہر نہیں رہے
جتنے تھے ہمسفر، وہ مسافر نہیں رہے — آغوش کے پلے دمِ آخر نہیں رہے
نرغے میں اہلِ شر کے شہِ مشرقین تھے
دشمن کئی ہزار، اکیلے حسینؑ تھے

کھنچتی ہے رن میں تیغِ حسینی نیام سے — اٹھتا ہے نظم و ضبط صفِ اہلِ شام سے
روباہ تھرتھراتے ہیں ضیغم کے نام سے — سب کو یہ خوف ہے کہ گئے اب تو کام سے
اک خلفشار ہے سپہِ زیرِ دست میں
ماتھوں پہ ہار لکھی ہے خطِ شکست میں

پستوں کو پیش عالمِ بالا کی ہے جو سیر — مانے ہوئے ملوں کا ہے دہشت سے حال غیر
اک شور ہے بپا کہ نہیں جان و تن کی خیر — لائے گا رنگ آلِ نبیؐ سے دلوں کا بیر
ایمان بیچ کے آئے تھے زر کی امید میں
اب جان سے بھی جائیں گے عشقِ یزید میں

یوں رن کہیں پڑا نہیں مابینِ شرق و غرب — خیبر سے کم نہیں ہے شہِ کربلا کی حرب
کیوں مرحبانِ وقت نہ ہوں مبتلائے کرب — ضرب المثل ہے کون و مکاں میں علیؑ کی ضرب
میدان جس نے سر کیا بدر و حنین کا
اس تیغِ حیدری پہ ہے قبضہ حسینؑ کا

یہ ذکر تھا، جورن میں چلی تیغِ برق دم — جو سر تھے پُرغرور، وہ ہونے لگے قلم
مشقِ ستم کو بھول گئے بانئ ستم — جانے لگے سقر کو پرے کے پرے بہم

اٹھی اِدھر ''بزن'' کی صدا ذوالفقار سے
روحیں اُدھر نکل گئیں تن کے حصار سے

پھرتے تھے پشت پر جو لیے معصیت کے بار — تکتے تھے راکبوں کو حقارت سے راہوار
لڑتے قدم جما کے کہاں سے وہ نابکار — خود تھے وفا سرشت، نہ مرکب وفا شعار

غازی نے جس سوار کو زیں سے گرا دیا
گھوڑوں نے روند روند کے سرمہ بنا دیا

نخوت کے بت کو توڑ کے شمشیرِ بوتراب — بیعت طلب کو دیتی تھی دنداں شکن جواب
زر کے پجاریوں پہ کھلے تھے قضا کے باب — سونے کے خواب دیکھنے والے تھے محوِ خواب

بن بن کے آئے تھے جو محاسب فنا ہوئے
دم میں قصاصِ بدر کے طالب فنا ہوئے

میداں میں گرم موت کا بازار دیکھ کر — ویروں کے دم نکل گئے تلوار دیکھ کر
ششدر اجل تھی کشتوں کے انبار دیکھ کر — چونکے ملک جو حشر کے آثار دیکھ کر

منصب پہ مستعد پئے تعمیل ہو گئے
تیار صور لے کے سرافیل ہو گئے

لڑتا تھا اس شکوہ سے فرزندِ بوتراب — کشتوں کا میرِ فوج کو ملتا نہ تھا حساب
راہِ فرار بند تھی، وَا تھا درِ عتاب — دریائے خوں میں بہتے تھے سر صورتِ حباب

سیفِ خدا بلند جو شر کے خلاف تھی
جس جس صفِ مصاف میں پہنچی وہ صاف تھی

جس مورچے پہ قہرِ خدا بن کے آ گئی
برسوں کی پیاس خونِ عدو سے بجھا گئی
مانندِ صبح شام کی ظلمت پہ چھا گئی
دم میں نشانِ فوجِ بد اختر گرا گئی
دونوں زباں سے ناریوں پر شعلہ ریز تھی
سایہ بھی ساتھ دے نہ سکا اتنی تیز تھی

حق آشنا تھی، حامئ ظلم و ستم نہ تھی
ہر ضرب دو جہاں کی عبادت سے کم نہ تھی
اعدائے دیں پہ مائل لطف و کرم نہ تھی
سر کاٹتی تھی، نام کی تیغِ دو دم نہ تھی
تربت بنا کے آئی تھی اک شیر خوار کی
غصہ میں بڑھ گئی تھی برش ذوالفقار کی

ہر سمت رن میں صورتِ تار نظر گئی
کھلتا نہ تھا کہ آئی کدھر سے کدھر گئی
سیلِ بلا کی طرح سروں سے گزر گئی
دو سے ہوئی دو چار تو چار اُن کو کر گئی
تقسیم کر کے ٹکڑوں میں تن، دشت بھر دیا
دے دے کے ضرب لاکھ کو دو لاکھ کر دیا

اک ذوالفقار حسبِ محل گُل بھی خار بھی
حق کی شریکِ کار بھی، باطل شکار بھی
ابرِ کرم بھی، اور غضبِ کردگار بھی
خود درد بھی، دوا بھی، تڑپ بھی، قرار بھی
اعدا کو اس نے بندۂ احساں بنا دیا
سر کاٹ کے مزید گنہ سے بچا دیا

پیکِ اجل کے کام کو آساں بنا دیا
دشتِ وغا کو شہرِ خموشاں بنا دیا
عمرِ رواں کو عمرِ گریزاں بنا دیا
خود دے کے درد، درد کو درماں بنا دیا
یوں رستگار درد سے بے درد ہو گئے
گر گر کے ریگِ گرم پہ تن سرد ہو گئے

بجلی خجل تھی تیغِ شرر بار دیکھ کر ٹھہرا ہوا تھا وقت بھی رفتار دیکھ کر
کہتے تھے جبرئیل یہ ہر وار دیکھ کر خادم اِدھر ہے، یا شہ ابرار دیکھ کر
اے جاں پناہ بندۂ احقر کی خیر ہو
مشکل کشا کے لال، مرے پر کی خیر ہو

سیفِ علیؑ تھی بخششِ پروردگار تھی اتری تھی آسماں سے، ہوا پر سوار تھی
رفتارِ نور چال پہ اس کی نثار تھی سایہ رہا عقب میں، یہ میداں کے پار تھی
جس جا گئی حیات کے پانسے پلٹ گئے
اس سے جو بچ رہے تھے وہ سائے سے کٹ گئے

رن میں کمر کمر تھا لہو تا حدِ نگاہ اٹھا تھا ریگِ خشک سے طوفانِ بے پناہ
آپس میں کہہ رہے تھے یہ گھبرا کے روسیاہ بھاگیں کہاں کہ کشتوں کے پشتے ہیں سدِّ راہ
سیلِ بلا کی موج جو بالائے فرق تھی
کل فوج کیں لہو کے سمندر میں غرق تھی

موجیں لہو کی دیکھ کے مقتل میں جا بجا ممکن ہے شاہِ دیں کو ہوا ہو یہ وسوسہ
آلودہ خون سے نہ ہو پانی فرات کا پیاسی مسافرت میں نہ ہو خلقتِ خدا
دیکھا جو سوئے نہر شہِ ذی وقار نے
کشتوں کے بند باندھ دیے ذوالفقار نے

اللہ رے پیاس میں وہ شہِ کربلا کی جنگ باطل سے حق کی جنگ، جفا سے وفا کی جنگ
کفار سے محافظِ دینِ خدا کی جنگ وہ کُلِ شر سے وارثِ خیر الوریٰ کی جنگ
تن تن کے جس لعیں کا اٹھا سر اڑا دیا
باطل کے طنطنے کو سرے سے مٹا دیا

دیکھا یہ جب کہ ختم ہوئی جاتی ہے سپاہ   شیطاں جو تھا یزید کا دیرینہ خیرخواہ
چلا گیا بچاؤ کی یہ درمیانہ راہ   پھیلاؤ ہاتھ، مصلحتاً مانگ لو پناہ
کیوں کھو رہے ہو جان فراست سے کام لو
دو واسطہ نبی کا سیاست سے کام لو

ناگاہ فوجِ شر سے اٹھا شورِ الاماں   سارے زباں دراز ہوئے قفل برزباں
عالم امید و بیم کا تھا ہر طرف عیاں   کرتے تھے گڑگڑا کے ریاکار یہ بیاں
مشکل کشائی کیجئے حیدرؑ کا واسطہ
اُمت کو بخش دیجئے پیمبر کا واسطہ

اس شورِ الحفیظ میں نانا کا سن کے نام   روکی امامِ وقت نے چلتی ہوئی حسام
پلٹیں رہِ فرار سے افواجِ روم و شام   بیکس کے گرد پھر ہوا اعدا کا اژدہام
شیرِ خدا کی تیغ جو دیکھی غلاف میں
روباہ پھر کے آ گئے دشتِ مصاف میں

ناگاہ تشنہ لب پہ چلے تیر بے پناہ   زخموں سے چور ہو گئے حالت ہوئی تباہ
حسرت سے مڑ کے دیکھتے تھے سوئے قتل گاہ   شکر اللہ بن کے نکلتی تھی لب سے آہ
جلدی تھی قتل کی سپہ بد شعار کو
مولا پکارتے تھے ہر اک جاں نثار کو

اے حُر کہاں ہو تم، مرے ناصر کہاں ہو تم   بچپن کے دوست ابن مظاہر کہاں ہو تم
اے ابن عوسجہ، دمِ آخر کہاں ہو تم   گرتا ہے زین سے یہ مسافر کہاں ہو تم
اس وقت کام آؤ تم اپنے امام کے
اُٹھو، اتار لو مجھے بازو کو تھام کے

مجبور تھے جو موت کے ہاتھوں وہ جاں نثار
لاشیں تڑپ کے رہ گئیں بن میں بہ اضطرار
تھا اس قدر نڈھال محمدؐ کا ورثہ دار
جھکتا تھا اور جھک کے سنبھلتا تھا بار بار
اُمّت کو رحم آیا نہ اپنے امام پر
ناوک برس رہے تھے شہِ تشنہ کام پر

چھایا ہوا تھا مہرِ امامت پہ ابرِ شام
تصویرِ درد تیروں کی بارش میں تھے امام
دریا کو دیکھتے تھے، کبھی جانبِ خیام
آخر سنبھل سکے نہ فرس پر شہِ انام
جھکنا وہ زین پر پسرِ بوترابؑ کا
ہاتھوں سے باگ، پاؤں سے چھٹنا رکاب کا

کیا کیا غم و الم کا فسانہ بیاں کروں
قاتل کا آستین چڑھانا بیاں کروں
خنجر گلوئے شہ پہ چلانا بیاں کروں
زہراؑ کا قتل گاہ میں آنا بیاں کروں
کوئی نہ تھا جو یاور و ناصر حسینؑ کا
آغوشِ فاطمہؑ میں کٹا سر حسینؑ کا

اے سیدہؑ، حسینؑ کا پرسا قبول ہو
اے بحرِ صبر، اشکوں کا دریا قبول ہو
اہلِ عزا سے درد کا تحفہ قبول ہو
بنتِ نبیؐ غلاموں کا ہدیہ قبول ہو
بی بی ہمارا دم ہے اسی غم کے واسطے
جیتے ہیں ہم حسینؑ کے ماتم کے واسطے

اب تک وہ قتل گاہ کا نقشہ نظر میں ہے
بیکس کے گرد کثرتِ اعدا نظر میں ہے
لٹتی ہوئی غریب کی دنیا نظر میں ہے
وہ میہماں، وہ پیاس، وہ دریا نظر میں ہے
کچھ بھی سوائے تشنہ دہانی نہ مل سکا
بی بی ترے حسینؑ کو پانی نہ مل سکا

بی بی! یہ کوہِ رنج و محن وامصیبتا　　مارا گیا وہ تشنہ دہن وامصیبتا
پردیس میں ملا نہ کفن وامصیبتا　　نیزے پہ سر تھا خاک پہ تن وامصیبتا
آغوش کا پلا ہوا مٹی پہ سو گیا
لاشہ بھی تیرے لال کا پامال ہو گیا

مر کر بھی چین پا نہ سکا ہائے تیرا لال　　رخت کہن بھی لے گئے اعدائے بدخصال
خیمے جلے، اسیر ہوئی مصطفیٰؐ کی آل　　توڑے گئے وہ ظلم کہ جینا ہوا وبال
وہ سیلیاں سکینہؑ کے رخسار کے لئے
وہ اہتمام طوق کا بیمار کے لئے

بی بی ہمارے اشک عزا کو قبول کر　　اہلِ ولا کی نذرِ ولا کو قبول کر
ٹوٹے ہوئے دلوں کی صدا کو قبول کر　　اس پر خلوص عہدِ وفا کو قبول کر
جاری رکھیں گے ذکرِ شہ مشرقین کو
ہم تا بہ حشر روئیں گے تیرے حسینؑ کو

کرار بس! کہ اب نہ رہی طاقتِ رقم　　خالق سے کر یہ عرض کہ جب تک ہے دم میں دم
ہونے نہ پائے مرثیہ خوانی کا جوش کم　　شامل رہے ہماری خوشی میں بھی شہ کا غم
قائم فضائے دہر میں رسمِ عزا رہے
ہر دم زباں پہ تذکرۂ کربلا رہے

☆----☆----☆----☆----☆

سلام

نہ کہنا، اور کہنا تو سلام و مرثیہ کہنا — سلامی اس تری مشکل پسندی کا بھی کیا کہنا

زباں سے وقتِ مشکل خوب ہے یا مرتضیٰ کہنا — یہی آواز لیکن دل سے بھی اٹھے تو کیا کہنا

کڑی منزل پہ کیا موقوف، اپنا شغل ہی یہ ہے — خدا کا نام لینا، یا علی مشکل کشا کہنا

ہم انکے بندے ہیں ملتا ہے جنکے در سے بے مانگے — ہمیں آتا نہیں ہر در پہ حرفِ مدعا کہنا

محمدؐ اور علیؑ سے ہے سپہرِ دینِ حق روشن — انھیں شمس الضحیٰ کہنا، انھیں بدرالدجیٰ کہنا

علیؑ کے باب میں ہیں فکرِ انسانی کے دو پہلو — ہمارا ناخدا کہنا، نصیری کا خدا کہنا

ٹھہرتی کیا نصیری کی نظر مہرِ امامت پر — فریبِ دیدۂ حیرت تھا بندے کو خدا کہنا

رضائے رب، دعائے فاطمہؑ، خوشنودیِ احمدؐ — غمِ شہ کے صلے میں اسقدر انعام کیا کہنا

اسی کو زندگی اسلام کی ناداں سمجھتے ہیں — کہ ہر آماجگاہِ کشت و خوں کو کربلا کہنا

ہزاروں کربلا تخیل میں پیدا کرے دنیا — جو عظمت خونِ عترت کی ہے اس عظمت کا کیا کہنا

فرشتے لے گئے مجھ کو نجف راس آگئی رحلت — اب اے اہلِ نظر مٹی کو میری کیمیا کہنا

اک اعجازِ ہدایت تھا محمدؐ کے گھرانے کا — سرِ نیزہ کٹے سر کا پیامِ کبریا کہنا

کوئی پوچھے جو اے کرار تیری آرزو کیا ہے
پئے مسکن نجف اور بہرِ مدفن کربلا کہنا

مرثیہ

گنجینۂ افکار ہے دنیا مرے آگے

عنوان........ گنجینۂ فکر

تعدادِ بند... ۷۳

گنجینۂ فکر

گنجینۂ افکار ہے دنیا مرے آگے
ہے موجزن اک علم کا دریا مرے آگے
"کچھ وہم نہیں ہستیٔ اشیا مرے آگے"
ہر ذرہ ہے اک طورِ تجلا مرے آگے

یہ ارض و سماوات کے چودہ جو طبق ہیں
سب معرفتِ حق کے صحیفے کے ورق ہیں

ہر شے نگہِ عہد میں معبود نما ہے
ہر برگِ شجر دفترِ عرفانِ خدا ہے
ہر نورِ سحر چشمِ تیقن کی ضیا ہے
ہر شام پہ طالبِ حق ظلِ ہما ہے

ہر گام پہ قدرت کے علامات عیاں ہیں
اس پر بھی کچھ اربابِ خرد صیدِ گماں ہیں

کہتے ہیں کہ اللہ کو مذہب نے تراشا
خالق نہیں یکسر کوئی اس ارض و سما کا
بس یونہی بلا وجہ یہ خود ہو گئے پیدا
منطق یہ نرالی ہے، تخیل ہے انوکھا

قدرت تو نظر آتی ہے قادر نہیں کوئی
خود بن گئی تصویر، مصور نہیں کوئی

جب خود گرد خود کار ہے ہر چیز جہاں کی
آپس میں یہ پابندیٔ قانون ہے کیسی
اجرامِ سماوی کی یہ تنظیم دوامی
خود دیتی ہے خلاقِ حقیقی کی گواہی

کچھ اس خرد و فہم کے افلاس کی حد ہے
قانون ہے تسلیم، مقنن ہی سے کد ہے

کیا بے سر و پا ذہن ہے ان فلسفیوں کا　　آنکھوں میں اجالا ہے دلوں میں ہے اندھیرا
آوارگیٔ فکر کا عالم ہے نرالا　　حیواں سے ملاتے ہیں یہ انسان کا شجرا
یہ فلسفۂ خام بھی تضحیکِ خرد ہے
کیوں کر نہ ہو جب سر میں دماغِ اب وجد ہے

نظمِ دو جہاں سے یہ زمانے پہ عیاں ہے　　بے ناظمِ مطلق نہ زماں ہے نہ مکاں ہے
سمجھا سے ہر شخص میں یہ درک کہاں ہے　　یہ معرفتِ رب کے صحیفے کی زباں ہے
اُن لوگوں سے پوچھو کہ جو خلقت کا سبب ہیں
جو شاہدِ عینی ہیں جو خود مظہرِ رب ہیں

ہیں مظہرِ خلاقِ جہاں پنجتنِ پاک　　عرفان کی ہیں تاب و تواں پنجتنِ پاک
حق کے لئے اسبابِ اماں پنجتنِ پاک　　باطل کی ہلاکت کا نشاں پنجتنِ پاک
حاصل وہ فضیلت ہے انہیں بخششِ رب سے
دنیا جو گرائے بھی تو برتر رہیں سب سے

یہ خلق نہ ہوتے تو یہ عالم نہ سنورتا　　دانہ نہ کوئی دامنِ گیتی پہ اُبھرتا
دریاؤں سے بیڑا نہ کوئی پار اُترتا　　یہ خشک و تر اللہ کبھی خلق نہ کرتا
حقا کہ اگر پنجتنِ پاک نہ ہوتے
ناپید زمیں ہوتی یہ افلاک نہ ہوتے

ہیں ان کی نگاہوں میں مشیت کے سب اسرار　　مخلوقِ خدا کے لئے ہیں خالقِ کردار
حق سے وہ علاقہ کہ حقیقت میں حق آثار　　بندے بھی خدا کے ہیں، خدائی کے بھی مختار
ان بندوں کا خود مدح سرا ربِّ غنی ہے
رکھتا نہیں تن پھر بھی خدا پنجتنی ہے

اللہ نے ان کو خیرِ سرّ و علن دی   تسخیر کرے دل کو وہ تاثیرِ سخن دی
ہر عزت و توقیر بہ عنوانِ حَسَن دی   بخشی ہے انہیں زیرِ کسا حق نے بلندی

وا سلسلۂ رحمتِ باری ہے کسا میں
اک فیض کا دریا ہے کہ جاری ہے کسا میں

وہ فاطمہؑ زہرا کا مکاں مرکزِ عصمت   اُس مرکزِ عصمت میں بہ ایمائے مشیت
اوڑھے ہوئے چادر یمنی شاہِ رسالتؐ   چادر سے وہ چھنتے ہوئے انوار بہ کثرت

عالم یہ کسا کا رخِ سلطانِ عرب سے
جیسے مہِ کامل ہو عیاں پردۂ شب سے

پھیلی ہوئی ہر سو جسدِ پاک سے خوشبو   خوشبو میں نہاں تازگیٔ نخوۂ گیسو
گیسو لئے حلقے میں شبِ قدر کا پہلو   پہلو میں وہ دل بندہ نوازی کی جسے خو

خوبو سے یہ ظاہر کہ یہی مظہرِ رب ہے
اپنا سا بشر اب کوئی سمجھے تو غضب ہے

ہیں زیرِ کسائے یمنی فخرِ رسولاں   ہمراہ ہیں وہ چار، جو ہیں خاصۂ یزداں
آراستہ ہے اس لئے یہ محفلِ عرفاں   ہے آیۂ تطہیر کی تنزیل کا ساماں

اس امر کی توفیق ہوئی بزمِ کسا سے
مقصود ہیں کون انفس و ابنا و نسا سے

اے صلِّ علیٰ پنجتنِؑ پاک کی توقیر   یہ لوگ ہیں زیبا ہے جنھیں خلعتِ تطہیر
وہ نام کہ تا عرشِ علا جن سے ہے تنویر   ہیں احمدؐ و زہراؑ و علیؑ شبرؑ و شبیرؑ

ہر مدح سرائی کے سزاوار یہی ہیں
ہر فخرِ خدا داد کے حق دار یہی ہیں

العظمۃ للہ وقارِ شہِ لولاک　　تاجِ سرِ عرش ان کا ہے نقشِ قدمِ پاک
حیراں ہو نہ کیوں منزلِ معراج میں ادراک　　اک گام برابر بھی نہیں وسعتِ افلاک

فیضانِ قدم سے ہے فزوں فرش کا پایہ
نعلین سے مس ہو کے بڑھا عرش کا پایہ

شمع حرمِ لم یزلی، نورِ مجرّد　　ضو جس کی مضاعف صفتِ حرف مشدّد
وہ جانِ جہاں جس کی مودت ہے موکد　　ممدوحِ خدا، حامد و محمود و محمدؐ

احمدؐ کا شرف دیکھیے قوسین کی حد سے
محبوب کی ہے میم جو واصل ہے احد سے

اس شان کا انساں نہ ہوا خلق میں پیدا　　سائے کو میسّر نہیں ہمسایہ وہ یکتا
منشا تھا یہی معجزۂ نقشِ قدم کا　　باقی حجرِ وقت پہ رہ جائے ہمیشہ

کیا فائدہ مٹی پہ نشانِ کفِ پا سے
مٹ جاتا ہے اک آن میں جو تندہوا سے

یہ حاضر و ناظر ہے، یہ ہے اول و آخر　　آیات سے ثابت ہے کہ ہے طیب و طاہر
سب اس کی بدولت ہیں یہ قدرت کے مناظر　　بندہ ہے مگر ربط ہے رب سے متواتر

کیا اس سے عیاں حدِ فضیلت نہیں ہوتی؟
نام اس کا نہ لیجے تو عبادت نہیں ہوتی

معراجِ عقیدت ہے ثنا شاہِ عرب کی　　احمدؐ کے ثنا خواں سے خدا ہوتا ہے راضی
ممدوح کے شایاں ہو مگر مدح سرائی　　ہو نذرِ تغزل نہ کہیں مقصدِ اصلی

زلفوں ہی تلک شانِ رسالت نہیں ہوتی
توصیفِ خد و خال سے مدحت نہیں ہوتی

یہ بھی کوئی آداب ہوئے مدح و ثنا کے تعبیر کریں عشق حقیقی کو جنوں سے
گزرے مگر اتنا نہ شرِ ہوش سے گزرے بے سوچے ہوئے منہ میں جو آجائے وہ کہہ دے

توبہ، کوئی یوں ہوتا ہے شیدائے مدینہ
"دل ہو جرسِ ناقۂ لیلائے مدینہ"

سوچا ہے کبھی تونے یہ رامشِ گرِ عرفاں ہے رخشِ تخیل ترا کس دشت میں جولاں
قتالِ جہاں، ناز بتاں، کوچۂ جاناں یہ بندشیں کیا نذرِ عقیدت کے ہیں شایاں

ذکر اس کا اس انداز سے جو عرش نشیں ہے
کیا حفظِ مراتب کا تجھے پاس نہیں ہے

دل میں ہے عقیدت تو غزل گوئی کے بدلے ہو کر بہ ادب نامِ نبیؐ بہرِ صمد لے
مدحت کا قلم لے تو بہ اندازِ خرد لے ملتا نہیں مضمون تو قرآں سے مدد لے

ایسے تو نہ لکھ سوءِ تخیل کا فسانہ
ہر بیت سے چھلکے گل و بلبل کا فسانہ

یوں مدح تو ہو مدح کا عنواں ہو نظر میں ہنگامِ بیاں مقصدِ عرفاں ہو نظر میں
دل میں ہو ولا، مرضیٔ یزداں ہو نظر میں احمدؐ کی ثنا لب پہ ہو قرآں ہو نظر میں

اس بزم میں دیکھ آکہ ذرا شان ادب کی
یوں کرتے ہیں مداح ثنا خاصۂ رب کی

بسم اللہ قرآنِ عقیدت ہیں محمدؐ طغرائے سرِ لوحِ فضیلت ہیں محمدؐ
مخلوق ہیں اور باعثِ خلقت ہیں محمدؐ آغاز میں انجام کی صورت ہیں محمدؐ

عالم میں عجب عزت و توقیر سے آئے
تقدیم سے پیدا ہوئے تاخیر سے آئے

آئے تو رہِ خیر سجاتے ہوئے آئے　　اخلاق کے پرچم کو اڑاتے ہوئے آئے
اک درس اخوت کا پڑھاتے ہوئے آئے　　انسان کو انسان بناتے ہوئے آئے

جو قوم نہ تھی واقفِ اقدارِ اخوت
اک آن میں وہ بن گئی معیارِ اخوت

گمراہی میں جب رہبرِ کامل نظر آیا　　واماندۂ منزل سرِ منزل نظر آیا
تعلیمِ محمدؐ کا یہ حاصل نظر آیا　　سینوں میں جہاں سنگ تھا واں دل نظر آیا

ایسا تو معلّم ہو جو یہ ذوقِ عمل دے
پشتوں کی عداوت کو محبت میں بدل دے

مہرِ فلکِ علم و عمل احمدِ مختار　　ہیں جس کے اُجالے کے امیں عترتِ اطہار
مقصد میں برابر کے شریک ایسے رضاکار　　ہے گھر کا گھر آنکھوں کیلئے مطلعِ انوار

اس گھر سے ہے ضو یاب شبستانِ بصیرت
یہ رحلِ فضیلت یہ ہے قرآنِ بصیرت

تعظیم کا مقصد ہے محمدؐ کا گھرانہ　　رفعت کے لئے حد ہے محمدؐ کا گھرانہ
کیا ارشد و امجد ہے محمدؐ کا گھرانہ　　بس عینِ محمدؐ ہے محمدؐ کا گھرانہ

ہر فرد رہِ حق میں برابر نظر آیا
ہر آئینہ میں حُسنِ پیمبرؐ نظر آیا

مولائے دو عالم ہے علیؓ بعدِ پیمبرؐ　　کرّار لقب، قلعہ کشا، صفدر و حیدرؓ
اک فرد، مگر رن میں جو آ جائے تو لشکر　　تلوار میں جس شیر کی ہے عدل کا جوہر

کیوں جنگ میں ہو ضربِ عدالت کی نہ حد ایک
ہیں حیدرؓ و انصاف کے ابجد سے عدد ایک

ایمان کا فانوسِ ضیا بار یہی ہے
اسلام کے لشکر کا علمدار یہی ہے
ایثار کا پیکر دمِ پیکار یہی ہے
تنہا سپرِ احمدؐ مختار یہی ہے
کاندھے پہ نشاں دین کا قدموں میں ظفر ہے
یہ تیغ جہاں کھینچ لے وہ معرکہ سر ہے

جانباز و دلاور کوئی ایسا نہیں دیکھا
کس جنگ میں حیدرؑ کو صف آرا نہیں دیکھا
باطل کا پرا کب تہہ و بالا نہیں دیکھا
اسلام نے اک بار بھی نیچا نہیں دیکھا
رخ فتح و ظفر کا نہ ہو کیوں سوئے محمدؐ
ہے دستِ خدا قوتِ بازوئے محمدؐ

زیبا ہے اسی ہاتھ کو اللہ کی شمشیر
عام اس یدِ بیضا سے ہوئی علم کی تنویر
اک نہجِ بلاغہ ہی سلونی کی ہے تفسیر
تقریر کی تقریر ہے تحریر کی تحریر
اندازِ دعا حُسنِ بیاں زورِ رقم ایک
ہیں دستِ یداللہ میں شمشیر و قلم ایک

کچھ احمدؐ و حیدرؑ میں نہیں فصل کا امکاں
یک جذبہ و دو قلب ہیں دو قالب و یک جاں
معراج میں ہے طرزِ تخاطب سے نمایاں
اک کلمۂ یزداں ہے تو اک لہجۂ یزداں
تبلیغِ رسالت میں برابر ہیں یہ دونوں
آئینۂ حق ایک ہے، جوہر ہیں یہ دونوں

اک بانیِ اسلام ہے اک ناشرِ اسلام
دونوں جو ملے، بن گئے اسلام کے سب کام
دو جزو ہیں، اک نور کے ہیں اسلئے دو نام
فصل ان میں وہی سمجھے جو ہو بندۂ اوہام
من کنت فھذا سے زمانے پہ جلی ہے
بعد احمدِؐ مختار کے جو کچھ ہے علیؑ ہے

اسلام کی ڈھارس ہے یہی سابق الاسلام — ہم دوشِ نبیؐ، ناصرِ دیں، کاسرِ اصنام
کیوں حق کے تجسس میں پھروں مضطر و ناکام — پاتا ہوں حدیثوں سے مع الحق کی خبر عام
حق یہ ہے کہ مولا کی نظر حق کی طرف ہے
خود حق بھی اسی ہادیٔ برحق کی طرف ہے

ہم نامِ خدا، شانِ خدا، ارفع و امجد — اصحابِ پیمبرؐ میں سرافراز و سرآمد
زیبا ہے اسی کے لیے اسلام کی مسند — بستر پہ محمدؐ کے جو ہو جائے محمدؐ
مولود ہے یہ خانۂ ربِّ دو جہاں کا
بس ایک یہی کفو ہے خاتونِ جناں کا

ہے شیوۂ زہراؑ و علیؑ حق کی حمایت — یہ فتح کی سورۃ ہے وہ تطہیر کی آیت
وہ ماہِ سیادت ہے، یہ خورشیدِ ولایت — دونوں سے چلا سلسلۂ رشد و ہدایت
عالم میں بلند آج جو اسلام کا سر ہے
یہ فاطمہؑ کی گود کے پالوں کا اثر ہے

وہ گود جہاں ہوتی ہے کردار کی تعمیر — جس گود نے دی زینبؑ و کلثومؑ کو توقیر
وہ گود کہ ہیں جس کے پلے شبرؑ و شبیرؑ — اللہ رے معصومہؑ ترے شیر کی تاثیر
ہر راج دُلارے کو ملا تاجِ شہادت
دو بیٹیاں ہیں باعثِ معراجِ شہادت

اللہ و غنی، منصبِ سبطینِ پیمبرؐ — اک ثانیٔ احمدؐ ہے تو اک ثانیٔ حیدرؑ
راضی بہ رضا، زہرِ ہلاہل ہو کہ خنجر — لبیک بہ لب امرِ مشیت میں برابر
شر جن کے سبب تا ابد لرزہ بہ تن ہے
اک حربِ حسینیؑ ہے تو اک صلحِ حسنؑ ہے

کیوں دل پہ مورخ کے ہے شاق اسوۂ شبرؑ
ہے صبر بھی اللہ کی شمشیر کا جوہر
اقدام اگر حسبِ محل ہو تو ہے بہتر
تھی صلحِ حسنؑ آئینۂ صلحِ پیمبرؐ

مانندِ حدیبیہ یہ تمہیدِ ظفر تھی
سن ساٹھ پہ فرزندِ پیمبرؐ کی نظر تھی

پہنے ہوئے تھا کفر ابھی اسلام کا خلعت
محفوظ تھی شاہی سے ابھی روحِ شریعت
بازوئے منافق میں نہ تھی اتنی جسارت
اللہ و پیمبرؐ سے کرے کھل کے بغاوت

جنگ ایسے میں باطل کے پنپنے کا سبب تھی
دنیا یہی کہتی کہ حکومت کی طلب تھی

لازم تھا کہ دنیا کو عمل سے یہ جتا دیں
سو تاجِ حکومت ہوں تو ٹھوکر سے اڑا دیں
موقع کا تقاضا تھا کہ یوں کام بنا دیں
فتنے کو منافق کے سرِ دست دبا دیں

جو صلح کی شرطیں تھیں وہ ہیں علم میں سب کے
کہہ دے کوئی یہ صلح ہوئی غیر سے دب کے

جب کفر مقابل ہو نقاب اپنی الٹ کر
جب دین کو اک ڈھونگ سمجھنے لگیں خودسر
جب بیعتِ فاسق کا سوال آئے زباں پر
اُس وقت ہو شمشیر بکف آلِ پیمبرؐ

ہے بعدِ قلم خنجر و شمشیر کی منزل
شبرؑ کا وہ موقف تھا یہ شبیرؑ کی منزل

طے ہو چکی جب صلحِ حق آثار کی منزل
آئی رہِ تبلیغ میں تلوار کی منزل
تسلیم و طلب، جرأت و ایثار کی منزل
عاشور کی شب، عشق کے معیار کی منزل

تلنے لگی میزانِ صداقت میں نگہ تک
کھنچ آئے جگر واروں کے دل نوکِ مژہ تک

وہ خیمۂ شبیرؑ، وہ شبیرؑ کے انصار   خوش فکر، جواں عزم، وفا کیش، فدا کار
فرماتے تھے ایک ایک سے یہ سیدِ ابرار   صف ایک مری جان کے درپے ہیں یہ خونخوار
بہتر ہے اماں جس میں ہو وہ کام کیا جائے
جانا ہو جسے شب کے اندھیرے میں چلا جائے

انصار کا یہ قول، کہ ہم جان بچائیں   آقا تو تہہ تیغ ہوں، ہم سر نہ کٹائیں
کیا نصرتِ ایماں کا شرف چھوڑ کے جائیں   حیدرؑ سے خجل ہوں، دلِ زہراؑ بھی دکھائیں
محبوبِ الٰہی سے ندامت بھی تو ہو گی
کب تک کی یہ دنیا ہے قیامت بھی تو ہو گی

شبیرؑ اگر شمع بجھاتے ہیں، بجھا دیں   روشن ہیں یہاں سینوں میں ایمان کی شمعیں
آنکھوں سے نکلتے ہیں جو شعلے ہیں دلوں میں   زندہ ہے ضمیر، اس سے نظر کیسے چرا لیں
باطن کی صدا کوئی دبا ہی نہیں سکتا
خود اپنے سے چھپ کر کوئی جا ہی نہیں سکتا

پھر ہم تو ہیں وہ، ناز رہا جن پہ نبیؐ کو   ہم پر کبھی ترجیح نہ دیتے تھے کسی کو
کیا خود ہی مٹا ڈالیں ہم اس نقشِ جلی کو   دنیا پہ مریں، تج کے حیاتِ ابدی کو
پیغمبرؐ برحق کا بھروسا بھی گنوا دیں
دنیا میں بھی شرمندہ ہوں عقبیٰ بھی گنوا دیں

اللہ رے کس عزم کے خوگر ہیں یہ انصار   جرأت کو ہے فخر ایسے دلاور ہیں یہ انصار
قربانی و ایثار کے پیکر ہیں یہ انصار   نصرت کو ہے ناز ایسے مظفر ہیں یہ انصار
شبیرؑ کے ناصر ہیں، ارادوں کے دھنی ہیں
سب مصطفویؐ، مرتضویؑ، پنجتنی ہیں

اس حق کی جماعت میں نہیں قیدِ سن و سال
ہیں ایک ہی منصب پہ سِن ہو کہ ہوں اطفال
شبیر کے قدموں میں بلند اُن کا ہے اقبال
ہیں بہرِ عدو خطِ شکست ان کے خط و خال

سب خادمِ سردارِ جوانانِ جناں ہیں
جنت ہے نگاہوں میں تو بوڑھے بھی جواں ہیں

مرنے پہ کمربستہ یہ سب دل کے جری ہیں
عاشور کی شب سے ہی چراغِ سحری ہیں
معصوم نہیں، پھر بھی گناہوں سے بری ہیں
بچے بھی سب آئینۂ بالغ نظری ہیں

نزدیک جو ہے منزلِ مقصودِ سفر میں
دنیا کی حقیقت نہیں کچھ ان کی نظر میں

شبیرؑ کی نصرت کو سمجھتے ہیں عبادت
ہر لب پہ دعا ہے یہی از روئے ارادت
جاں نذر کروں پہلے کہ حاصل ہو سعادت
کس شوق سے ہیں منتظرِ صبحِ شہادت

سب کا ہے یہی قول جواں ہوں کہ مسن ہو
یہ رات کٹے جلد تو کل عید کا دن ہو

وہ صبح نمودار ہوئی، دشتِ بلا میں
مردانِ خدا محو ہوئے یادِ خدا میں
گونجی اِدھر اکبرؑ کی اذاں موجِ ہوا میں
واں طبل بجے جنگ کے میدانِ وغا میں

سرخم ہوئے سجدے میں یہاں اہلِ وفا کے
واں فوج بڑھی چلنے لگے تیر قضا کے

ہونے لگے نظروں سے نہاں عرش کے تارے
رخصت ہوئے انصار، اعزا بھی سدھارے
ماموں پہ فدا ہو گئے زینبؑ کے دلارے
قاسمؑ بھی گئے پیاس میں کوثر کے کنارے

کوئی نہ رہا خستہ و دلگیر کے ہمراہ
صرف اکبرؑ و عباسؑ ہیں شبیرؑ کے ہمراہ

عباسؑ بھی ہیں طالبِ اعزازِ شہادت — رو رو کے طلب کرتے ہیں شبیرؑ سے رخصت
شہ کہتے ہیں کیسے تمہیں دوں رن کی اجازت — ڈھارس ہو حرم کی مرے بازو کی ہو قوت
کیا کیا نہ مرے بعد الم پائے گی زینبؑ
تم بھی نہ ہوئے ساتھ تو مر جائے گی زینبؑ

اولادِ پیمبرؐ کا ہے دشمن یہ زمانہ — تقدیر میں لکھا ہے، بڑے رنج اٹھانا
جب میں نہ رہوں، کام یتیموں کے تم آنا — بچوں کو طمانچوں کی اذیت سے بچانا
تم ہو گے تو منہ سب کا سکینہؑ نہ تکے گی
تم ہو گے تو زینبؑ کی ردا چھن نہ سکے گی

عباسؑ یہ کہتے ہیں کہ اے سبطِ پیمبرؐ — لب پیاس صغیروں کی بہت شاق ہے دل پر
بس اتنی رضا رن کی عطا ہو مجھے سرورؑ — مشکیزہ لبِ نہر سے بھر لاؤں میں جا کر
بچوں پہ بہت پیاس کی شدت سے تعب ہے
پانی کی سبیل اب بھی نہ ہو گر تو غضب ہے

فرماتے ہیں سرورؑ یہی مرضی ہے تو بہتر — ہم جانتے ہیں تم بھی چلے جانبِ کوثر
مہمان ہیں دو چار گھڑی کے علی اکبرؑ — ہم ہوں گے پھر اور مرحلہ ناوک و خنجر
تم پہنچو فرائض کو ادا کر کے ارم میں
ہم تم سے وہیں آن ملیں گے کوئی دم میں

القصہ چلے نہر کو عباسِؑ نکو کام — اعدا تو مزاحم ہوئے لیکن رہے ناکام
جب مشک کو بھر کر ہوا واپس وہ خوش انجام — تنہا پہ بہم ٹوٹ پڑی کل سپہ شام
شانے جو کٹے غم نہ ہوا قلبِ حزیں پر
جب مشک چھدی گر گئے عباسؑ زمیں پر

اب رن کو چلا یوسفِ کنعانِ شجاعت
اکبرؔ سا جری، شکل سے تصویرِ رسالت
مشہور جواں بیٹے سے ہے باپ کی الفت
کس دل سے کیا ہوگا اُسے شاہ نے رخصت

اعدا نے مٹایا وہ سراپائے محمدؐ
شبیرؑ نے تھرا کے کہا ہائے محمدؐ

گھائل غمِ عباسؑ میں دل بھی ہے جگر بھی
ہے شوقِ شہادت میں گراں جسم پہ سر بھی
اکبرؔ کا بھی غم وعدۂ طفلی پہ نظر بھی
لے آئے ہیں میدان میں ششماہہ پسر بھی

ہے فکر کہ یہ ہدیہ آخر بھی پہنچ جائے
منزل پہ یہ ننھا سا مسافر بھی پہنچ جائے

ناگاہ چلا جانبِ اعدا سے جو اک تیر
بابا کی طرف کر کے نظر مر گیا بے شیر
ننھی سی لحد کھود کے رونے لگے شبیرؑ
یہ کہہ کے رکھی قبر میں وہ چاند سی تصویر

اب دل کا کنول گود میں دادی کی کھلے گا
پانی تمہیں اب خلد میں دادا سے ملے گا

اب منزلِ آخر میں ہے جنگِ حق و باطل
شبیرؑ اکیلے ہیں ہزاروں کے مقابل
درپیش ہے اب مرحلۂ خنجرِ قاتل
دل کہتا ہے اب جلد کہیں طے ہو یہ منزل

سب مر گئے جینے کی تمنا مجھے کیا ہو
سر تن سے جدا ہو تو ادا حقِ وفا ہو

اتنے میں صدا آئی، مبارز طلبی کی
صف باندھ کے اُدھر بڑھنے لگا لشکرِ ناری
شمشیرِ ید اللہ اِدھر میان سے نکلی
اللہ رے دو روز کے پیاسے کی لڑائی

دم بھر میں صفیں صاف ہوئیں فوجِ عدو کی
سرناریوں کے بہہ گئے موجوں میں لہو کی

مکاروں نے دیکھی جو یہ اعجاز نمائی	دینے لگے سب مل کے پیمبر کی دہائی
تلوار نہ پھر سبطِ پیمبرؐ نے چلائی	جب تیغ رُکی، فوج دوبارہ پلٹ آئی

تیروں کی وہ بوچھار ہوئی سرورِ دیں پر
سنبھلا نہ گیا گر گئے تیورا کے زمیں پر

تیروں پہ معلّق تھا تنِ سبطِ پیمبرؐ	بہتا تھا لہو، شکر کے کلمے تھے زباں پر
تب شمر سے بولا، پسرِ سعدِ بد اختر	کیا دیر ہے اب کاٹ لے بڑھ کر سرِ سرورؑ

سینے پہ رکھا، زانوئے ناپاک شقی نے
سر خم کیا سجدہ میں جگر بندِ نبیؐ نے

سر تن سے جدا ہو گیا شبیرؑ کا آخر	پہنچا سرِ منزل وہ رہِ حق کا مسافر
قربان ہوا سبطِ نبیؐ دین کی خاطر	میدان میں آثارِ قیامت ہوئے ظاہر

لرزہ تھا پہاڑوں کو زمیں زیر و زبر تھی
دریا میں تلاطم تھا ہوا خاک بہ سر تھی

اک حشر اٹھا خیمہ گہہ آلِ عبا سے	شعلے سے برسنے لگے ہر موج ہوا سے
گیتی متزلزل ہوئی نالوں کی صدا سے	افلاک بھی تھرّا گئے زینبؑ کی بکا سے

جب کہتی تھی رو کر مرے ماں جائے حسینؑ
ہر سمت سے آتی تھی صدا ہائے حسینؑ

سر پیٹ کے چلاتی تھی ہے ہے مرے بھائی	قسمت نے عجب ساعتِ بد آج دکھائی
برباد ہوئی دشت میں اماں کی کمائی	تم اٹھ گئے دنیا سے مجھے موت نہ آئی

سب مر گئے، کوئی نہ رہا ردِ بلا کو
اب کون بچائے گا مرے سر کی ردا کو

قاسمؑ ہیں نہ اکبرؑ ہیں، نہ عباسِؑ علمدار
اک سیدِ سجادؑ ہیں سو وہ بھی ہیں بیمار
چھینیں گے گہر کان سے جس وقت جفاکار
کون ایسے میں ہوگا، مری بچی کا مددگار

اب باپ کی ہے آس، نہ امید چچا سے
کون آ کے چھڑائے گا سکینہؑ کو جفا سے

رخ کر کے مدینے کی طرف پھر یہ پکاری
جلد آیئے اماں کہ مصیبت میں ہے بیٹی
ناموسِ نبیؐ پر ہے یورشِ رنج و بلا کی
ناصر ہے نہ یاور ہے، نہ ہمدم ہے نہ ساتھی

خیموں کو جلانے کیلئے آتے ہیں اعدا
شبیرؑ کی مسند بھی لئے جاتے ہیں اعدا

جھولا علی اصغرؑ کا جلاتے ہیں ستمگر
کھینچا گیا ہے پشت سے بیمار کی بستر
وہ لوٹ مچی ہے کہ ردا بھی نہیں سر پر
دیکھے گا زمانہ ہمیں بلوے میں کھلے سر

ہر گام پہ سو طرح کے غم کھاؤں گی اماں
کیونکر سرِ دربارِ شقی جاؤں گی اماں

فریاد و فغاں کرتی رہی زینبؑ ناشاد
باز آیا ستم سے نہ کوئی بانیٔ بیداد
عاشور کو گھر سبطِ نبیؐ کا ہوا برباد
کرار یہ دن تابہ ابد کیوں نہ رہے یاد

یہ سب سے بڑی گردشِ افلاک کا دن ہے
یہ خاتمۂ پنجتنِ پاک کا دن ہے

☆----☆----☆----☆----☆

سلام

معرفت کا آئینہ ہے روئے زیبائے حسینؑ — اک نظر میں حُر کو جنت کی طرف لائے حسینؑ
کُل بہتر دوست اور دو لاکھ اعدائے حسینؑ — ان کو کیا کہیے غلط سمجھیں جو منشائے حسینؑ
شدتِ آلام سے مطلق نہ گھبرائے حسینؑ — سر ہتھیلی پر لئے بڑھتے چلے آئے حسینؑ
ابرِ رحمت بن کے اُترے رن پہ جب چھائے حسینؑ — باغِ ایماں میں بہارِ جاوداں لائے حسینؑ
عرشِ اعظم کے لئے پائے نبیؐ وجہِ شرف — زینتِ سجدہ نبیؐ کے دوش پر پائے حسینؑ
ایک مِنّی احمدِ مرسلؐ نے کہہ کر بار بار — فرض کر دی سارے عالم پر تولائے حسینؑ
ناز اٹھا کر ان کے نازاں ہے خدائے بے نیاز — اللہ اللہ یہ جلالِ ذاتِ والائے حسینؑ
حق تو یہ ہے بندگی کی لاج اس سے رہ گئی — ایک سجدہ زیرِ خنجر جو بجا لائے حسینؑ
اس کو کہتے ہیں عبادت ایسی ہوتی ہے نماز — سایۂ محرابِ خنجر ہے مصلائے حسینؑ
جل اٹھا دل گر کہ لے لیا پانی کا نام — چشمِ تر نے کر دیا جل تھل جو یاد آئے حسینؑ

فرض ہے کرّار جنت عاشقِ شبیرؑ پر
ہاں مگر قول و عمل سے بھی ہو شیدائے حسینؑ

مرثیہ

قلبِ انساں پہ عجب بخششِ داور ہے وفا

عنوان.......وفا

تعدادِ بند...۸۲

وفا

قلبِ انساں پہ عجب بخششِ داور ہے وفا
سینۂ آئینۂ تقویٰ ہے تو جوہر ہے وفا

پاکبازوں کا درخشندہ مقدر ہے وفا
طالبِ مرضئی رب کیلئے رہبر ہے وفا

سطحِ کردار اگر اوجِ وفا تک پہنچے
غیر ممکن ہے کہ انساں نہ خدا تک پہنچے

مانتے سب ہیں وفا کو سببِ قربِ خدا
مگر اس پر بھی مصر ہے یہ سیاسی دنیا

اتنی وسعت کرو معنئ وفا میں پیدا
جاں نثاری بھی وفا، جاں تلفی بھی ہو وفا

یوں مورخ کا قلم مائلِ فیاضی ہو
نیک و بد سب سے بقول اس کے خدا راضی ہو

یہ عجب بات ہے اک دوست اور اک دشمن دیں
دو کے دونوں ہوں سزاوارِ وقار و تمکیں

جز منافق یہ کسی اور سے ممکن ہی نہیں
نام لے لے کے وفا کا ہے، دونوں کے قریں

دو فریقوں میں اگر معرکہ آرائی ہو
دونوں کے گن وہی گائے گا جو سودائی ہو

ہے شہادت کی طرح لفظِ وفا بھی مظلوم
جو جدھر چاہے، اُدھر موڑ لے اس کا مفہوم

جاں فدا کردے بتوں پر جو کوئی کافر شوم
اس کو بھی مانے شہید، اس کو بھی سمجھے مرحوم

ایک ٹھہرا کے ہر انداز فدا کاری کا
تمغہ مرحب کو عطا کردے وفاداری کا

سہل ہے اس کا تعین کہ وفا چیز ہے کیا ہر وہ جذبہ ہے وفا، خیر پہ ہو جس کی بِنا
جو عمل شر پہ ہو مبنی، وہ جفا ہے بخدا تلتے ہیں خیر کی میزان میں اقدارِ وفا

خیر و شر میں کوئی ابہام جو باقی رہ جائے
دہر میں لفظِ وفا تشنۂ معنی رہ جائے

ہم تو یہ سمجھے ہیں جو کچھ بھی کہیں اہلِ نظر شر کا ابلیس ہے اور خیر کا مرکز داور
خیر و شر کا یہی پیمانہ ہے سب سے بہتر ہو من اللہ تو خیر اور من الابلیس تو شر

رب کے بھیجے ہوئے دنیا میں نبی آئے ہیں
پس من اللہ وہی ہے جسے وہ لائے ہیں

وہ جسے خیر کہیں خیر ہے، باقی باطل ہے وفا اور جفا میں، یہی خطِ فاصل
لیکن اُمّت نے پس از بانیٔ دینِ کامل کر دی اس مسئلۂ سہل میں پیدا مشکل

لوگ ایمان کی قدروں کو بھلا دیتے ہیں
شر کو بھی خیر کی پوشاک پہنا دیتے ہیں

خیر کو لوگ بنا لیتے تو ہیں شر کی سپر لیکن ایسا نہیں ملتا کوئی شر کا خوگر
فخر کے ساتھ جو اپنے کو کہے بانیٔ شر بھاتا ہے تیغِ جفا کو بھی وفا کا جوہر

شر پسندوں کو بھی اس بات سے انکار نہیں
چھوڑ کر خیرِ عمل کوئی وفادار نہیں

ہے عجب طرزِ عمل، بہرِ حصولِ مطلب بخش دیتے ہیں جفا کو بھی وفا کا منصب
سوزنِ زر کی کرامات سے سل جاتے ہیں لب مانعِ حُسنِ عمل ہوتا ہے حاکم کا غضب

کج کلاہی سببِ عجزِ بیاں ہوتی ہے
دستِ شاہی میں زبانوں کی عناں ہوتی ہے

ایسے میں کس کو زباں کھولنے کی ہو جرأت
مستند ہوتا ہے اربابِ حکومت کا لغت
وہ جدھر پھیر دیں پھر جائے خدا کی آیت
وہ جو کہہ دیں تو ہو شیطاں بھی علیہ الرحمت

شبِ تاریک کو یوں رنگِ سحر دیتے ہیں
آبِ زر ظرف میں کم ظرف کے بھر دیتے ہیں

جبر و تحریص نے ذہنوں کا نکالا کس بل
خیر اور شر کے معانی میں ہوئی ردّ و بدل
مسجدیں ہو گئیں ویران، بے رنگ محل
خوابِ غفلت کو سمجھ بیٹھا بشر، خیرِ عمل

درسِ راحت طلبی، خیرہ سری دینے لگی
لوریاں اُس کو اذانِ سحری دینے لگی

ہر زمانے میں جہاں نے، یہ تماشا دیکھا
سر کو جھکواتا رہا، زعمِ حکومت کا عصا
چڑھتے سورج کی بہ ہر دور ہوئی ہے پوجا
سرخ سکوں پہ نچھاور ہوئے، اقدار وفا

علما دست نگر، دولت و منصب کے رہے
دابِ شاہی کے تلے علم و ادب دب کے رہے

ایسے عالم میں کہ جب حرص و ہوا کی خاطر
علما، علم کو تج دیں، جہلا کی خاطر
جب جفا عام ہو شاہانہ عطا کی خاطر
جائے کس در پہ بشر شرحِ وفا کی خاطر

کام بگڑے گا سیاست کے غلط کاروں سے
معنیٔ لفظِ وفا پوچھو، وفاداروں سے

جستجو معنیٰ و مفہومِ وفا کی ہے اگر
پوچھو تاریخ سے، وہ کون سا تھا نیک سیر
جس نے پالا تھا محمدؐ کو، بہ اندازِ پدر
جس نے بیٹے کو بنایا تھا بھتیجے کی سپر

ایسے کردار سے، تشریحِ وفا ہوتی ہے
ایسے ایمان کی توہین، جفا ہوتی ہے

کفر کی محسنِ اسلام پہ تہمت ہے جفا — علم کے شہر پہ، یلغار جہالت ہے جفا
نہ ہو بے لوث، تو دعوائے محبت ہے جفا — انتہا یہ کہ منافق کی عبادت ہے جفا

جس کو دنیا کے ریاکار بنا لیتے ہیں
اسی مسجد کو اولوالامر گرا دیتے ہیں

لبِ طفلی سے رسالت کی شہادت ہے وفا — جان پر کھیل کے اسلام کی نصرت ہے وفا
زیرِ خنجر جو ادا ہو، وہ عبادت ہے وفا — بخدا، مرضیٔ معبود کی قیمت ہے وفا

انہیں اقدار سے، تعمیرِ وفا ہوتی ہے
ان سے ہٹ کر جو روش ہو وہ جفا ہوتی ہے

ہوسِ زر ہے جفا، مسلک بوذر ہے وفا — حربِ عمرؓ ہے جفا، ضربتِ حیدرؓ ہے وفا
نصرتِ شر ہے جفا، حفظِ پیمبرؐ ہے وفا — بُتِ آذر ہے جفا، خلّتِ داور ہے وفا

دینِ باطل کی حمایت کو جفا کہتے ہیں
حق سے بھرپور تعاون کو وفا کہتے ہیں

ہوتی ہے شرحِ وفا جس سے وہ منظر دیکھو — کربلا چل کے وفا کیش بہتر دیکھو
پرچمِ دین میں، دوشِ وفا پر دیکھو — ایک پیکر میں بہم، حمزہؓ و جعفرؓ دیکھو

زندگی پائی وفا نے، تو یہاں پائی ہے
دائمی مات جفا نے بھی یہیں پائی ہے

یوں تو شر کرتا رہا خیر پہ ہر دور میں وار — اور سپر بنتا رہا اہلِ وفا کا ایثار
مگر العظمۃ للہ، حسینی انصار — اُن سے ملتا ہے وفا کا یہ حقیقی معیار

شیوۂ اہلِ وفا، فدیۂ ایماں بودم
سر تہِ تیغ جفا دادن و شاداں بودم

ان شہیدوں کی فنا ہوتی ہے عنوانِ بقا ‌ ‌ ‌ قوم کا فرض ہے ذکر ایسے وفاداروں کا
سُن کے احوالِ وفا، ہوتی ہے تحریکِ وفا ‌ ‌ ‌ کرتی ہے ولولہ نَو یہ دلوں میں پیدا
ذکرِ اربابِ وفا ہے سبق آموزِ حیات
ماہ و خورشید ہے یہ بہرِ شب و روزِ حیات

لاکھ اس ذکر پہ تاریخ نے پردہ ڈالا ‌ ‌ ‌ حق کی تائید سے لیکن، یہ اجاگر ہی رہا
یوں تو ہر اہلِ وفا، اپنی جگہ ہے یکتا ‌ ‌ ‌ نام عباسِ علیؑ ہے سرِ فہرستِ وفا
اُن کی مدحت سے حسب آرائشِ لب ہوتی ہے
شاعری، باعثِ خوشنودیٔ رب ہوتی ہے

پھر قلم لوحِ عقیدت پہ رواں ہو جائے ‌ ‌ ‌ وقفِ آدابِ وفا، تابِ بیاں ہو جائے
ذکرِ اطہار سے، تطہیرِ زباں ہو جائے ‌ ‌ ‌ سر بلند اہلِ مودّت کا نشاں ہو جائے
بول بالا ہو زمانے میں قلم کاری کا
مدحِ عباسؑ، فریضہ ہے وفاداری کا

عقل حیراں ہے ادا کیسے ہو حقِ مدحت ‌ ‌ ‌ اتنی قدرت ہے قلم میں نہ بیاں میں وسعت
لفظ ملتے ہیں تو مضموں نہیں شایانِ صفت ‌ ‌ ‌ لاؤں مضمون تو لفظوں کی نہیں ہوتی کھپت
خلق کے عقدہ کشا، عقدہ کشائی کیجیے
اے درِ علمِ نبیؐ، راہ نمائی کیجیے

آپ کے در کا سوالی ہوں میں یا شاہِ نجف ‌ ‌ ‌ آپ چاہیں تو گہر بن کے نکھر جائے خذف
ذکرِ اربابِ وفا سے ہے مرے دل کو شغف ‌ ‌ ‌ اپنے عباسؑ کی مدحت کا عطا کیجیے شرف
سب پہ روشن ہے کہ میں ہیچمداں ہوں مولا
آپ حامی ہوں تو اعجاز بیاں ہوں مولا

یا علیؑ! کیجئے امداد! برائے عباسؑ بخش دیجئے مجھے توفیقِ ثنائے عباسؑ
ہے مسلسل یہ تقاضائے ولائے عباسؑ مدحِ عباسؑ کروں، تحتِ لوائے عباسؑ

بادشاہوں کو میسّر نہ ہو، وہ تاج ملے
منبرِ صاحبِ معراج پہ معراج ملے

خسروِ مملکتِ اہلِ وفا ہے عباسؑ فارسِ جادۂ تسلیم و رضا ہے عباسؑ
شمعِ ایوانِ امامت کی ضیا ہے عباسؑ وارثِ دبدبۂ شیرِ خدا ہے عباسؑ

سارے اوصاف سے موصوف، ولایت کے سوا
ہے یہ ہر رخ سے علیؑ، ایک امامت کے سوا

دودمانِ بنی ہاشم کا قمر ہے عباسؑ مرتضیٰؑ شیرِ وفا، شہر کا در ہے عباسؑ
فخر جس پر ہے علیؑ کو، وہ پسر ہے عباسؑ غازیِ دشت وغا مثلِ پدر ہے عباسؑ

آج بھی ذکر جب اس شیر کا چل جاتا ہے
دل ہر اک رستمِ دوراں کا دہل جاتا ہے

اسد و ضیغم و ضرغام و غضنفر عباسؑ صفدر و غازی و جرار و دلاور عباسؑ
ناصر و فاتح و منصور و مظفر عباسؑ سب سے بڑھ کر یہ شرف شاہ کا یاور عباسؑ

خادمِ لختِ دلِ احمدِ مختار ہے یہ
خود وفا ناز کرے ایسا وفادار ہے یہ

روح میں گرمیِ ایمان و خلوص و ایثار قلب پر نقشِ وفا کندہ بہ خطِ گلزار
حرب میں لشکرِ اسلام کا رایت بردار کربلا اُسوۂ عباسؑ کا روشن شہکار

اے مورخ! اگر اس نام سے دوری رہ جائے
داستانِ دینِ محمد کی ادھوری رہ جائے

ذاتِ عباسؑ ہے اک بخششِ ربِ العزت
جس میں یک جا ہیں بیک وقت، جمال و جرأت

صبر، ایثار، وفا، عزم، شجاعت، خدمت
یہ عناصر ہیں کہ جن سے ہوئی اُن کی خلقت

اتنی دلکش نہ بنی، اور کسی کی تصویر
مو بہ مو شکل و شمائل میں علیؑ کی تصویر

صورت ایسی کہ مہ چاردہم سجدہ گزار
سیرت ایسی، جو پسندیدۂ ربِ غفار

وہ جبیں جس پہ فرشتوں کی عبادت ہو نثار
وہ خط و خال، جو خطاطِ ازل کے شہکار

ہو بہو قامتِ حیدرؑ، قدِ زیبا ایسا!
جس کی یوسف کو تمنا ہو سراپا ایسا!

دوش وہ، زیب جسے دیتا ہے دیں کا پرچم
ہاتھ وہ، دستِ یداللہ کا جس میں دم خم

قدم ایسا جو ہے ثابت رہِ حق میں پیہم
سینہ ایسا، جو ہے گنجینۂ اسرارِ حرم

کیوں نہ ہمرازِ مشیت ہو، پسر کس کا ہے
اس کے والد کا جو مولد ہے وہ گھر کس کا ہے

جس میں پیدا ہوا عباسؑ وہ گھر تھا کس کا
کس کی تعلیم ملی مصحفِ ناطق کے سوا

اور پھر اس سے فزوں اور شرف کیا ہوگا
وہیں قرآن بھی اترا ہے جہاں یہ ہے پلا

کوئی سمجھے نہ اِدھر اور اُدھر کی باتیں
رب کی باتیں تو ہیں عباسؑ کے گھر کی باتیں

اس کی سیرت کے بیاں کیجیے کیا کیا اسناد
نام ہی کرب و بلا کی ہے مکمل روداد

"ع" اور "ب" سے بہتر شہداء کی تعداد
"الف" اور "س" کے اکٹھ سے عیاں سالِ جہاد

منسلک ہو گئی اس نام سے نوری تاریخ
چار حرفوں میں سمٹ آئی ہے پوری تاریخ

اس کے ایثار کا یہ فیض ہے خالق کی قسم
سربلند آج بھی ہے دینِ محمدؐ کا علم
کل شرف ایک طرف، اک یہ شرف ہے کیا کم
خلفِ ساقیٔ کوثر ہے تو سقائے حرم

صرف اتنا ہی نہیں، سیّدِ والا کا پسر
بطن سے اُمِ بنین کے ہے یہ زہراؑ کا پسر

پوچھے بنتِ پیمبرؐ سے کہ کیا ہے عباسؑ
جس کے گلشن کے ہر اک گل پہ فدا ہے عباسؑ
شاہِ دیں کیلئے پیری کا عصا ہے عباسؑ
حرزِ اطفال ہے، زینبؑ کی ردا ہے عباسؑ

رنج و آلام ہے، گھر بھر کا سہارا یہ ہے
قولِ زہراؑ ہے، مری آنکھ کا تارا یہ ہے

زہے ایثار کہ با ایں ہمہ اوج و رفعت
آلِ زہراؑ کی غلامی ہی کو سمجھا عزت
کیوں نہ کہہ دوں کہ ہے عباسؑ برائے عترت
معنیٔ آیۂ اَتممتُ علیکم نعمت

آسرا پیاس کی شدت میں سکینہؑ کے لئے
دل کی ڈھارس حرم شاہِ مدینہ کے لئے

قوتِ بازوئے دلبندِ رسولِ عربیؐ
خدمتِ شاہ میں قنبر، سرِ جنگاہ علیؑ
اپنے آقا کے محبوں کا محافظ اب بھی
فضل ابوالفضلؑ کا پیہم ہے جہاں میں جاری

تا ابد زائروں کا راہ نما ہے عباسؑ
شانے کٹ جانے پہ بھی عقدہ کشا ہے عباسؑ

آج کے دور میں جب طالبِ دینار و درہم
اپنے مطلب کیلئے کھاتے ہیں ہر رب کی قسم
رعبِ عباسؑ علمدار کا ہے یہ عالم
کھائے جھوٹی قسم اس کی، یہ کسی میں نہیں دم

مشعلِ راہ ہے یہ عدل کی منزل کے لئے
اک کسوٹی ہے تمیزِ حق و باطل کے لئے

گرچہ معصوم نہیں، پھر بھی ہے منصب ایسا
باب میں اس کے خطا کا ہے تصور بھی خطا
خدمتِ شاہ میں سائے کی طرح ساتھ رہا
قربِ شبیرؑ نے دور اس کو خطا سے رکھا

نامِ معصوم سے وابستہ جو نام اس کا ہے
بخدا سرحدِ عصمت پہ مقام اس کا ہے

اس کی الفت ہے بشر کیلئے ایماں کی اساس
اس کی مدحت سے مزین ہے وفا کا قرطاس
لب پہ آ جائے عقیدت سے اگر "یا عباس"
ریزہ ریزہ ہوا بھی کوہِ غم و حسرت و یاس

گردشِ چرخ بھی مغلوب ہے، یہ غالب ہے
کیوں نہ ہو، روحِ علیؑ جس میں ہے وہ قالب ہے

حق نے بھیجا ہے اسے صورتِ تاثیرِ دعا
اک صحیفے کی طرح گھر میں علیؑ کے اترا
سرورق پر ہے رقم جس کے بہ خطِ طغرا
کربلا، حفظِ حرم، خدمتِ شاہِ شہدا

اس کی تخلیق ہوئی نصرتِ ایماں کیلئے
تربیت دی تھی علیؑ نے، اسی میداں کیلئے

ناز جس پر ہے امامت کو رفاقت ایسی
معنیِ فتح مبیں بن گئی، نصرت ایسی
داد پائی اسد اللہ سے، ضربت ایسی
تابعِ امر اولوالامر، شجاعت ایسی

ضبط چھوڑا نہیں اک جبر سا دل پر سہہ کر
جنگ کی مرضیٔ مولا کی حدوں میں رہ کر

یوں تو رکھے کوئی دنیا میں غلامی کا بھرم
منحصر مرضیٔ آقا پہ ہو ایک ایک قدم
حرب میں ضرب پہ ہو ضبط کی بندش تا ہم
بے چلے چوس لے باطل کا لہو تیغِ دودم

اس جلالت سے سرِ لشکرِ بیداد آئے
مرتے مرتے بتِ کافر کو خدا یاد آئے

روزِ عاشور مرتب ہوئے اقدارِ وفا حق ادا کر چکے جب شہ کے عزیز و رفقا
کوئی باقی نہ بجز اکبرؑ و عباسؑ رہا بڑھے عباسؑ برائے طلبِ اذنِ وغا

عرض کی دل کو نہیں صبر کا یارا آقا
دیجئے رن کی رضا اب تو خدارا آقا

پے بہ پے پڑتے رہے دل پہ محن، صبر کیا سامنے لُٹ گیا زینبؑ کا چمن، صبر کیا
قتل میداں میں ہوا ابنِ حسنؑ، صبر کیا العطش کہتے رہے غنچہ دہن، صبر کیا

مجھ سے پہلے اگر اکبرؑ کی شہادت ہوگی
کتنی محبوبِ الٰہی سے ندامت ہوگی

شہ نے فرمایا کہ مرنے کو نہ جاؤ عباسؑ تم کو بچپن سے ہے پالا، کرو اس کا احساس
بھائی تم صورتِ تصویرِ پدر ہو مرے پاس داغِ فرقت مجھے دے کر نہ کرو یوں بے آس

سہہ سکوں گا نہ یہ غم، جی سے گزر جاؤں گا
ساتھ اس وقت جو چھوڑو گے تو مر جاؤں گا

سب گرے خون کے پیاسے ہیں یہ اعدائے علیؑ فوج کیں میں ہے بپا شورِ مبارز طلبی
اک فقط دم سے تمہارے مرے بازو ہیں قوی بھائی اس وقت اگر دے دوں اجازت رن کی

سر مرا سجدۂ آخر میں جو کٹ جائے گا
کون لاشہ مرا میدان سے لے آئے گا

تم سے امید تھی، میت مری دفناؤ گے سوگ میں زینبؑ و کلثومؑ کو سمجھاؤ گے
جب سکینہ مری روئے گی تو بہلاؤ گے وقت پر آلِ نبیؐ کے تمہیں کام آؤ گے

رنج و آلام میں سب کو ہے سکوں بس تم سے
اس لئے گھر کو بہر حال ہے ڈھارس تم سے

تم رہو گے تو نہ تڑپے گی کوئی دکھیاری زندگی ہوگی نہ اولادِ نبیؐ پر بھاری
آگ خیموں میں لگائیں گے نہ آ کرناری سیلیاں رخ پہ نہ کھائے گی سکینہؑ پیاری

تم سے ذریتِ محبوبِ خدا باقی ہے
تم جو باقی ہو تو زینبؑ کی ردا باقی ہے

جوڑ کر ہاتھ شہِ دیں سے یہ بولے عباسؑ دیکھی جاتی نہیں آنکھوں سے اب اطفال کی پیاس
منہ سکینہؑ مرا تکتی ہے بصد حسرت و یاس آپ ہی کہیے کہ اب کیا کرے یہ فرض شناس

فخر ہے یوں تو مجھے، آپ کا خادم ہو کر
جی سکوں گا نہ بھتیجی سے میں نادم ہو کر

آج اگر کام نہ آیا تو ستم ہے آقا حشر میں جاؤں گا کس منہ سے میں پیشِ زہراؑ
کیا خجل ہوں گا کہ جب یہ کریں گے بابا لاج رکھی مری تعلیم کی تم نے نہ ذرا

ساتھ بھائی کا بُرے وقت میں یوں چھوڑ دیا
توڑ کر عہدِ وفا، دل بھی مرا توڑ دیا

آپ کے بعد مری جان سلامت جو رہی جب میں لوٹوں گا مدینے تو قیامت ہوگی
میرے آقا مری ماں دودھ نہ بخشے گی کبھی اے خدا، کیا مری تقدیر میں لکھا ہے یہی

دونوں عالم میں دل آزردہ و مغموم رہوں
یاں بھی پیاسا رہا، کوثر پہ بھی محروم رہوں

کہا شہ نے کہ تمہاری یہی مرضی ہے تو خیر میں سمجھتا ہوں کہ بھائی ہے تمہیں خلد کی سیر
لشکرِ شام کو ہے صرف مری ذات سے بیر دو گھڑی اور ہے، کٹ جائیں گے بھائی کے بغیر

شوق سے جاؤ حفاظت سے خدا پہنچائے
لبِ دریا تمہیں پیاسوں کی دعا پہنچائے

رن میں جانے کی اجازت تمہیں دیتا ہوں مگر یاد رکھنا کہ یہ ہے رحمتِ کونین کا گھر
جیسے بھی ہیں کلمہ گو تو ہیں یہ بانیٔ شر واجب الرحم نہ ہوں پھر بھی ہے نرمی بہتر
جوش میں غیظ و غضب کا نہ کہیں نام آئے
تیغ سے بڑھ کے دمِ جنگ سپر کام آئے

مقصدِ جنگ نہ ہو، آب رسانی کے سوا تیغ اس وقت کھینچے، جب ہوں مزاحم اعدا
ہاتھ قبضے سے ہٹے صاف ملے جب رستہ کہیں آلودہ نہ ہو خونِ نجس سے دریا
مشک بھر لاؤ یہ جمعیتِ خاطر عباسؑ
جاؤ میداں کو، خدا حافظ و ناصر عباسؑ

کر کے تسلیم گئے خیمے میں عباسؑ جری جان سے پیاری سکینہؑ کو یہ دی خوش خبری
بچے ہوں جاگ اٹھے گے اب پیاس کے صدمے سے بری لا کے دیتا ہوں ابھی مشک میں پانی سے بھری
میرے آقا نے مجھے رن کی اجازت بخشی
ناز کرتا ہوں، کہ سقائی کی عزت بخشی

کہہ کے یہ بڑھ گئے عباسؑ سوئے اہلِ حرم سب سے رخصت ہوئے، پھر لیکے چلے مشک و علم
پاس سے شاہ کے گزرے تو جھکائے پرچم باادب فتح و ظفر نے لئے غازی کے قدم
پا کے راکب کی رضا اسپ عناں تاب چلا
سیدھے دریا کی طرف صورتِ سیلاب چلا

فوج میں غل ہوا، عباسِ علیؑ آتے ہیں شیر تھراتے ہیں جن سے وہ بلی آتے ہیں
زورِ بازوئے ولی ابن ولی آتے ہیں وارثِ دارِ اسدِ لم یزلی آتے ہیں
وہ ابھی آئے نہیں ہیں کہ بلا آ پہنچی
سرکشو! خیر نہیں، سر پہ قضا آ پہنچی

خیریت اب نہیں دریا کے کنارے بھاگو
دوپہر کو نظر آنے لگے تارے بھاگو
بھاگنا بھاگ میں لکھا ہے تمہارے بھاگو
مر کے بھی ہو گے نہ اللہ کو پیارے بھاگو
ٹھہرے ساحل پہ تو سردار نہ لشکر ہوگا
خوں کا دریا اِسی دریا کے برابر ہوگا

پسرِ سعد نے یہ دیکھ کے لشکر سے کہا
ایک پیاسے سے ڈرے جاتے ہو لاحول ولا
ہوش کی بات کرو، دل میں یہ سوچو تو ذرا
لڑ سکا ہے کہیں دو لاکھ سے کوئی تنہا
بزدلو! گر یونہی ہمت سے کنارا ہوگا
جب حسینؑ آئیں گے کیا حال تمہارا ہوگا

ہے اگر زر کی طلب، کوئی تکلف نہ کرو
منصب و جاہ و حشم، جو تمہیں درکار ہو، لو
ہے یہی اپنا امیر، ایک کہو، پاؤ گے دو
بس کسی طرح تہِ تیغ کرو غازی کو
ہے تمنا کہ اِن آنکھوں سے تماشا دیکھوں
غمِ عباسؑ میں سرورؑ کو تڑپتا دیکھوں

وعدۂ نو سے جو پھر بندھ گئی ٹوٹی ہوئی آس
زر کے انبار تلے دب گئے دل کے وسواس
پھر صفیں شامیوں کی جم گئیں نہر کے پاس
ناگہاں رن میں ہوا شور کہ آئے عباسؑ
دیکھنا، نہر پہ جانے کا نہ امکان رہے
مشک بھی ساتھ علم کے ہے ذرا دھیان رہے

حملہ آور ہوئی یہ سُن کے سپاہِ اشرار
پہلے تو ڈھال پہ عباسؑ نے روکے کئی وار
جب یہ دیکھا کہ بجز جنگ نہیں چارۂ کار
یاعلیؑ کہہ کے علمدار نے کھینچی تلوار
دیکھ کر صیدِ زبوں میان سے باہر نکلی
برقِ خاطف تھی کہ بدلی سے تڑپ کر نکلی

تھا جو بھپرا اسد اللہ کا ضرغام ادھر   بارگراں تھے اُدھر خوف سے بے دینوں کے سر
ہر زرہ دامِ اجل تھی تو کفن ہر بکتر   پست خو کرنے لگے عالمِ بالا کا سفر
بھولے بھٹکے جو بڑھے بھی کہیں لشکر والے
ہاتھ دکھلا دیے عباسؑ نے خیبر والے

صورتِ سیلِ بلا، تیغ شرر بار چلی   سایۂ پرچمِ حق میں ظفر آثار چلی
موت منہ کھولے ہوئے جانبِ اشرار چلی   ناریوں کی جو جماعت تھی سوئے نار چلی
طائرِ روح نے سمٹے ہوئے پر کھول دیے
شادماں ہو کے جہنم نے بھی در کھول دیے

صفتِ برگِ خزاں سر جو گرے کٹ کٹ کر   بدلیاں شکی ہوا ہو نے لگیں چھٹ چھٹ کر
جتنے روباہ صف آرا ہوئے تھے ڈٹ ڈٹ کر   سر چھپانے لگے دستوں سے پرے ہٹ ہٹ کر
موجِ طوفاں کے تھپیڑے نہ سہے جاتے تھے
اشقیا مثلِ خس و خار بہے جاتے تھے

منتشر ہو گئے اک آن میں لاکھوں اعدا   راستہ صاف ہوا، رجس کا انبار ہٹا
اک بہشتی رہا، اور سامنے بہتا دریا   آن کی آن میں ضیغم سرِ ساحل پہنچا
وجد میں سرد ہواؤں نے علم چوم لیا
بڑھ کے موجوں نے مجاہد کا قدم چوم لیا

دیکھ کر آبِ رواں، ہو گئیں آنکھیں پُر آب   پیاس نے دل سے کہا کیجیے تر لب کو شتاب
دل یہ بولا کہ نہیں، یہ تو ہے ترکِ آداب   شاہ لب تشنہ رہیں اور ہو خادم سیراب
اپنے بابا کی وصیت کو بھلا دے عباسؑ
زندگی بھر کی ریاضت بھی گنوا دے عباسؑ

اور ہوں گے وہ کوئی دلبرِ حیدرؓ کے سوا ایک چلّو میں ڈبو دیتے ہیں جو نامِ وفا
ہم وفا کیش ہیں، ہم سے یہ نہیں ہو سکتا یہ کہا اور سوئے دریا بہ حقارت دیکھا
بھر کے مشکیزے میں پانی اسی جا سے لوٹے
یہ ہے ایثار کہ پیاسے گئے پیاسے لوٹے

مشک بھر کے جو اٹھے، شور یہ اعدا میں ہوا ہوشیار، آب لئے شیرِ ترائی سے چلا
تا خیامِ شہِ دیں گر کہیں پانی پہنچا یہ سمجھ لو کہ گئی ہاتھ سے اپنے یہ وغا
نہر سے ایک قدم بھی نہ بڑھانے دینا
روک لو راہ، بہشتی کو نہ جانے دینا

سُن کے اس شور کو میداں میں پلٹ آئے شریر ہو گیا جمع سرِ راہ، اک انبوہِ کثیر
گھر گیا باغیوں میں ابنِ شہِ خیبر گیر تنِ تنہا پہ کئی سمت سے چلنے لگے تیر
صرف ناوک ہی نہ دل بندِ علیؓ پر برسے
کبھی نیزے کبھی بھالے کبھی پتھر برسے

اس سے بے فکر کہ ہے سارا بدن خون میں تر طے کئے جاتے تھے عباسؓ، وفا کا وہ سفر
زخم کھاتے تھے مگر خیمۂ شہ پر تھی نظر تیر آتے تھے تو مشکیزے پہ رکھتے تھے سپر
فکر تھی بحرِ وفا کا یہ سفینہ بچ جائے
سینہ چھلنی ہو مگر مشکِ سکینہؓ بچ جائے

تیز کرتے ہوئے ہر لحظہ فرس کی رفتار بڑھتے جاتے تھے سوئے خیمۂ شاہِ ابرار
اک شقی نے کیا اتنے میں کمیں گاہ سے وار داہنا شانہ بھی زخمی ہوا سینہ بھی فگار
ہوئے آثار تزلزل کے عیاں گیتی پر
ہاتھ غازی کا قلم ہو کے گرا ریتی پر

جس سے لڑتے تھے وہ تلوار نہ وہ ہاتھ رہا کٹے شانے سے لہو صورتِ فوارہ بہا

خندہ پیشانی سے غازی نے یہ صدمہ بھی سہا دم بدم جوشِ وفا میں یہی تازی سے کہا

ہاں بڑھا چل کہ ابھی مشک و علم باقی ہے

کٹ گیا ہاتھ تو کیا سینے میں تو دم باقی ہے

چند گام اور بڑھے تھے کہ ہوئی تازہ جفا دوسرا ہاتھ بھی شانے سے قلم ہو کے گرا

ہاتھ کے ساتھ ہی جاتے جو علم کو دیکھا مشک کو جھک کے علمدار نے دانتوں میں لیا

تن سے بہتا تھا لہو، زور گھٹا جاتا تھا

پھر بھی منزل کی طرف شیر بڑھا جاتا تھا

رعب اتنا تھا کہ نزدیک نہ آتی تھی سپاہ دور سے تیر چلاتے تھے اسد پر روباہ

ایک ناوک جو لگا مشک پہ آکر ناگاہ ہوگئی بالی سکینہؑ کی امانت بھی تباہ

آخری آس بھی ٹوٹی تو بصد یاس گرے

مشک سے آب بہا گھوڑے سے عباسؑ گرے

گر کے ریتی پہ یہ عباسؑ نے دی شہ کو صدا آیئے جلد کہ خادم سفری ہے مولا

سُن کے بھائی کی صدا ان کو چلے شاہِ ہدا کہتے جاتے تھے کدھر جاؤں، کہاں ہو بھیا

کس بُرے وقت میں بازو کو مرے توڑ چلے

دشمنوں میں مجھے بے تاب و تواں چھوڑ چلے

لاش کو ڈھونڈتے مقتل میں جو پہنچے سرورؑ خون میں تر نظر آیا بنی ہاشم کا قمر

دم تھا آنکھوں میں اٹکا، ہائے سکینہؑ لب پر صاف ظاہر تھا کہ نزدیک ہے دنیا سے سفر

بھر کے اک آہ کہا، آنکھ تو کھولو عباسؑ

بھائی آیا ہے ذرا منہ سے تو بولو عباسؑ

سُن کے سرورؑ کی صدا غش سے افاقہ جو ہوا　　قدم شاہ پہ سر رکھ کے یہ غازی نے کہا
میرے آقا مری شہزادی کو پانی نہ ملا　　اُن سے کہیے گا بہت آپ سے نادم ہے چچا
مجھ سے حق آپ کی خدمت کا ادا ہو نہ سکا
ایک ناچیز سا وعدہ بھی وفا ہو نہ سکا

آخری میرا سلام آپ بھی فرمائیں قبول　　مجھ کو لینے کے لئے آئے ہیں خست سے رسولؐ
سر بالیں ہیں علیؑ رحمتِ رب کا ہے نزول　　زہے قسمت کہ مرا سر ہے اور آغوشِ بتولؑ
کہتے کہتے یہ، علمدار نے دم توڑ دیا
رکھ لیا نامِ وفا، دارِ محن چھوڑ دیا

دی صدا شہ نے کہ اے شیر خدائی عباسؑ　　مرے حمزہ مرے جعفر مرے بھائی عباسؑ
تم کو دنیا کی ہوا راس نہ آئی عباسؑ　　چند ساعت کی مگر ہے یہ جدائی عباسؑ
کر کے طے مرحلہ گردن و خنجر بھائی
ہم بھی مل جائیں گے تم سے لبِ کوثر بھائی

☆----☆----☆----☆----☆

سلام

وہ غیروں کے بھی کام آ کثر دمِ فریاد آتے ہیں
علیؑ ہر دوست دشمن کو برابر یاد آتے ہیں

قیامت ہے جہاں میں ہادیِ معکوس ہونا بھی
جہالت رنگ لاتی ہے تو حیدرؑ یاد آتے ہیں

شریکِ صلحِ شبرؑ شاملِ پیکارِ شبیرؑ
ہمیں تیغِ علیؑ کے دونوں جوہر یاد آتے ہیں

وفا کا تذکرہ جب اور جس محفل میں ہوتا ہے
علیؑ کے بعد عباسِؑ دلاور یاد آتے ہیں

جنھیں اہلِ چمن نے خود ہی باغی بن کے لوٹا تھا
ریاضِ فاطمہؑ کے وہ گلِ تر یاد آتے ہیں

ہم ان کے غم کو ہر غم کی دوا سمجھے تو کیا بے جا
کہ اپنے غم میں بھی سبطِ پیمبرؐ یاد آتے ہیں

محاذِ شر پہ جو جو تھے ہوئے سب غرقِ گمنامی
محاذِ خیر پر اب تک بہتّر یاد آتے ہیں

اذانِ صبح سن کر ہے یہ اہلِ شام کا عالم
نگاہوں میں مؤذن ہے پیمبرؐ یاد آتے ہیں

لکھا صغریٰؑ نے اے بابا وطن میں جی لگے کیونکر
کہ خالی دیکھ کر جھولے کو اصغرؑ یاد آتے ہیں

میں نقدِ اشک دے کر خلد میں گھر مول لیتا ہوں
فرشتوں کو مرے عصیاں کے دفتر یاد آتے ہیں

کسی محفل میں جب ہوتا ہے قحطِ رونقِ محفل
بڑی شدت سے واں کرّار حیدر یاد آتے ہیں

مرثیہ

یارب مری تقریر کو تاثیر عطا کر

عنوان........ انصارِ حسینؑ

تعدادِ بند... ۶۲

انصارِ حسینؑ

یارب مری تقریر کو تاثیر عطا کر
ذرہ ہوں مجھے مہر کی تنویر عطا کر
مرتے ہیں ملک جس پہ وہ توقیر عطا کر
توفیقِ ثنا خوانیِ شبیرؑ عطا کر
تجھ پر تو یہ روشن ہے کہ میں ہیچمداں ہوں
تو چاہے تو اک آن میں اعجاز بیاں ہوں

تو نے مجھے بخشی ہے ظریفانہ طبیعت
روتوں کو ہنسانے کی عطا کی مجھے قدرت
اے سامع الاصوات بس اب ہے یہی حسرت
پاؤں غمِ مولا میں رُلانے کی سعادت
بخشی ہے طبیعت تو روانی بھی عطا ہو
مداحی ملی، مرثیہ خوانی بھی عطا ہو

اے حامیٔ کُل اب ہے حمایت کی تمنا
سرچشمۂ رحمت سے ہے رحمت کی تمنا
دامانِ تخیل کو ہے وسعت کی تمنا
ہے ذکرِ مصائب میں مہارت کی تمنا
جو قلب کو تڑپا دے وہ اندازِ بیاں دے
پروانے کا دل بخشا ہے بلبل کی زباں دے

اے منبعِ فیضان و کرم فیض رساں ہو
گر رزم پڑھوں، سیفِ علیؑ میری زباں ہو
جب بزم کا احوال سرِ بزم بیاں ہو
ہر ہاتھ ہو سینے پہ، ہر اک لب پہ فغاں ہو
ہر شیشۂ دل غم سے جلا پا کے چمک جائے
آنکھوں سے مئے الفتِ شبیرؑ چھلک جائے

العظمۃ للہ، مے الفتِ شبیرؑ   ہوتی ہے اسی سے خرد و ہوش کی تعمیر
انساں کے لئے راہِ عمل کی یہ ہے تنویر   دنیا میں جہاں گیر ہے عقبیٰ میں جناں گیر
اس مے سے نشاطِ ابدی لیتے ہیں میکش
جی غم سے بھر آتا ہے تو پی لیتے ہیں میکش

اے ساقیٔ کوثر مے توحید اثر دے   دو بھر ہے یہ جاں ساغرِ امید کو بھر دے
بوذر کو جو حاصل تھی وہ توفیقِ نظر دے   خوگر تری الفت کا ہوں قنبر کا جگر دے
دولت وہ فقیروں کو عطا کر کہ غنی ہوں
ہر چار طرف پنجتنی پنجتنی ہوں

ہیں پنجتنِ پاک میں اوّل شہ لولاک   تاجِ سرِ عرش ان کا ہے نقشِ قدمِ پاک
حیراں ہو نہ کیوں منزلِ معراج میں ادراک   اک گام بھی ثابت نہ ہوئی وسعتِ افلاک
فیضانِ قدم سے ہے فزوں فرش کا پایہ
نعلین سے مس ہو کے بڑھا عرش کا پایہ

مولائے دو عالم ہے، علیؑ بعدِ پیغمبرؐ   کرّار لقب، قلعہ کشا، صفدر و حیدرؑ
میداں میں سپاہی بھی جو آپ ہی لشکر   تلوار میں جس شیر کی ہے، عدل کا جوہر
کیوں جنگ میں ہو ضرب و عدالت کی نہ حد ایک
ہیں حیدرؑ و انصاف کے ابجد سے عدد ایک

ہے ضرب مثل خُلقِ حَسن خلقِ خدا پر   اُمت نہ مگر ہو سکی اخلاق کی خوگر
وہ سوئے ادب کر نہ سکے عقل جو باور   بے حرمتیٔ آلِ پیمبرؐ سرِ منبر
خود بانیٔ شر کھا گئے مات اپنے چلن سے
اسلام ظفر یاب ہوا صلحِ حسنؑ سے

قربان حسین ابنِ علیؑ پر ہو دل وجاں وہ فدیۂ درگاہِ خدا، شاہِ شہیداں
مظلوم وستم دیدہ، اسیرِ غم وحرماں پروردۂ آغوشِ نبیؐ، خاصۂ یزداں

سیرت میں سراپا ہے رسولِ عربیؐ کا
شبیرؑ اک اعجازِ مجسّم ہے نبیؐ کا

جس طفل کا گہوارہ ہو زانوئے محمدؐ کیونکر نہ بنے آئینۂ خوئے محمدؐ
ہے یہ اثرِ سیرتِ نیکوئے محمدؐ اس باغ کے ہر گل میں ہے خوشبوئے محمدؐ

اوّل وہی، اوسط وہی، آخر بھی وہی ہے
ہر سمت محمدؐ کی صدا گونج رہی ہے

کیا صلِّ علیٰ آلِ محمدؐ کی ہے توقیر یہ لوگ ہیں زیبا ہے جنھیں خلعتِ تطہیر
وہ نام کہ تا عرشِ علا جن سے ہے تنویر ہیں احمدؐ و زہراؑ و علیؑ، شبرؑ و شبیرؑ

بے ان کے ہدایت کا سرانجام نہ ہوتا
ہوتے نہ اگر پنجتنؑ، اسلام نہ ہوتا

ہیں زیرِ کسائے یمنی سیدِ کونین ناناؐ کے دل وجاں کی طرح ساتھ ہیں سبطین
یک دانہ ہیں دونوں گہرِ مجمعِ بحرین ثانی نہیں رکھتے فلک وارض کے مابین

رب جن کا خریدار ہے وہ دُرِ ثمیں ہیں
دو لعل ہیں جو مہرِ نبوت کے نگیں ہیں

ہمراہ نبیؐ چار ہیں یہ صاحبِ توقیر یا چار طرف شمعِ رسالت کی ہے تنویر
کیوں کر نہ مباہات کرے کاتبِ تقدیر وابستہ ہے قرآن سے قرآن کی تفسیر

مانا کہ پئے منزلِ حق جادہ ہے قرآں
بے آلِ نبیؐ اک ورقِ سادہ ہے قرآں

چادر میں اِدھر پنجتنِ پاک ہیں یک جا گویا ہے فرشتوں سے اُدھر خالق یکتا
اے اہلِ فلک آج شرف دیکھو زمیں کا تم اہلِ یقیں ہو نہیں شک تم کو ہے زیبا
معبود کو تم سب کی عبادت کی قسم ہے
خود اپنی ہی عزت کی جلالت کی قسم ہے

گردش میں شب و روز جو ہے گنبدِ دوّار یہ چاند یہ سورج جو زمیں پر ہیں ضیا بار
گیتی پہ یہ دشت و جبل و سبزہ و کہسار یہ کشتیاں بہتی ہیں جو پانی پہ لگا تار
چادر میں بہم پانچ جو محبوب مرے ہیں
سب اُن کی محبت کے سبب خلق کیے ہیں

وابستہ انہیں پانچ سے ہے ہستی اسلام تا حشر یہ پہنچاتے رہیں گے مرا پیغام
مخلوق پہ ہے یوں تو مرا لطف و کرم عام ہے پنجتنِ پاک پہ انعام کا اتمام
عصیاں سے بری باطن و ظاہر کیا میں نے
تا حدِ طہارت انہیں طاہر کیا میں نے

قربانِ عطا و کرم و بخشش داور ممتاز و سر افراز ہوئی آلِ پیمبرؐ
تطہیر سے جس گھر کو کیا حق نے مطہر سوچو تو وہ گھر کس کا ہے اور کس کی ہے چادر
یہ گھر ہے وہ گھر جس سے عیاں شانِ خدا ہے
خالق کا پتہ خانۂ زہرا سے ملا ہے

آنکھوں کو ملا کحلِ جواہر اسی گھر سے دل پاک نگاہیں ہوئیں طاہر اسی گھر سے
ہے مقصدِ کُن روشن و باہر اسی گھر سے ہر رازِ مشیت ہوا ظاہر اسی گھر سے
دامن دُرِ مقصود سے بھر بھر دیے اس نے
دولت وہ لٹائی ہے کہ گھر بھر دیے اس نے

دنیا کو ملی دولت ایماں اسی گھر سے
حاصل ہوئی ہر نعمت یزداں اسی گھر سے
پایا ہے مسلمان نے قرآں اسی گھر سے
مشکل ہوئی اسلام کی آساں اسی گھر سے

اللہ کا یوں وردِ زباں نام نہ ہوتا
ہوتے نہ اگر پنجتنؑ اسلام نہ ہوتا

عالم کے معاون دمِ مشکل ہیں یہی پانچ
طوفانِ حوادث ہو تو ساحل ہیں یہی پانچ
کونین کی تخلیق کا حاصل ہیں یہی پانچ
ہستی ہے عرض جوہرِ قابل ہیں یہی پانچ

خالق کے فدائی بھی ہیں محبوبِ خدا بھی
معبود کے بندے بھی ہیں معبود نما بھی

معبود نما، رہبرِ کامل ہیں یہی پانچ
ہر کفر کی یورش کے مقابل ہیں یہی پانچ
بینِ حق و باطل خطِ فاصل ہیں یہی پانچ
سالک کیلئے آخری منزل ہیں یہی پانچ

تا عرش جو ڈھونڈو تو بہر گام یہی ہیں
جو لوح پہ محفوظ ہیں، وہ نام یہی ہیں

یہ کرسی و لوح و قلم و عرشِ معلّٰی
یہ کوثر و تسنیم و ارم، سدرہ و طوبیٰ
افلاک و زمیں، شمس و قمر، گلشن و صحرا
قدرت کے یہ آثار ثریٰ تا بہ ثریا

یہ ارض و سماوات کے چودہ جو طبق ہیں
سب معرفتِ حق کے صحیفے کے ورق ہیں

وہ معرفتِ حق جو نبیؐ سے ہوئی حاصل
یا بعد نبیؐ کے جو وصی سے ہوئی حاصل
جو سیرتِ زہراؑ و علیؑ سے ہوئی حاصل
آئینۂ خُلقِ حسنی سے ہوئی حاصل

نسبت ہے جسے بادشہِ کرب و بلا سے
وہ نورِ بصیرت جو ملا خاکِ شفا سے

وہ نور جو ہے شمعِ شبستانِ بصیرت — روشن ہے اسی نور سے ایوانِ بصیرت
اک سجدہ تہہِ تیغ جو تھا جانِ بصیرت — بینا کے لئے بن گیا قرآنِ بصیرت
دنیا کو نشانِ رہِ حق دے گئے شبیرؑ
مشکل ہے بُھلانا، وہ سبق دے گئے شبیرؑ

بھولے بھی یہ کس طرح کہ یزداں کا ہے پیغام — اسلام کا پیغام ہے ایماں کا ہے پیغام
یہ درسِ عمل دعوتِ عرفاں کا ہے پیغام — نیزے پہ ہوا نشر وہ قرآں کا ہے پیغام
ناطق کی زباں سے متکلّم کا سبق ہے
عالم کے وسیلے سے معلّم کا سبق ہے

باقی اسی پیغام سے اب تک ہے عبادت — حریت و ایثار و وفا، عزم و شجاعت
اخلاق و کرم، بذل و عطا، جود و سخاوت — اخلاص و تحمل، ہمت و صبر و قناعت
انسان پہ احسان ہیں ذکرِ شہدا کے
حیف ان پہ مخالف ہیں جو اس بزمِ عزا کے

کیا کہیے انہیں غم میں خوشی کے جو ہیں قائل — کہنا بھی تو مشکل ہے نہ کہنا بھی ہے مشکل
فرماتے ہیں رونے سے نشر ہوتا ہے بزدل — توہین شہیدوں کی ہے ماتم سرِ محفل
کیوں عقلِ بشر روئے نہ ایسے عقلا پر
بدعت کا ہے اطلاق بیانِ شہدا پر

حیف ان پہ جو ہیں بانیٔ کاشانۂ بدعت — جب دیکھئے ہونٹوں پہ ہے افسانۂ بدعت
ہے شام و سحر بازیٔ طفلانۂ بدعت — کرتے ہیں عطا سب کو یہ پروانۂ بدعت
"دل صاحبِ انصاف سے انصاف طلب ہے"
کیا یاد بھی مظلوم کی بدعت کا سبب ہے

اصرار ہے کوئی غم مولا میں نہ روئے — یادِ المِ دلبرِ زہراؑ میں نہ روئے
خوشنودی رب کی بھی تمنا میں نہ روئے — بیداری میں کیا، عالمِ رویا میں نہ روئے
اپنا کوئی مرجائے تو رورو کے تلف ہوں
شبیرؑ کا ماتم ہو تو شمشیر بکف ہوں

دنیا میں گدا روئے شہنشاہ بھی روئے — مشہور ہے، آدم صفی اللہ بھی روئے
حق یہ ہے کہ یعقوبِ حق آگاہ بھی روئے — حمزہؑ کے لئے احمدؐ ذی جاہ بھی روئے
سب گریہ و زاری کریں منظور ہے ان کو
بس اک غمِ شبیرؑ ہی ناسور ہے ان کو

"ہوتا ہے ہر اک ان کے اشارے میں نشاں اور — دل میں تو گماں اور ہے لب پہ ہے بیاں اور
کھلتا ہی نہیں کیوں ہے عیاں اور نہاں اور — کیوں ان کی زباں اور ہماری ہے زباں اور
رب ایک، رسول ایک، کتاب ایک ہے دین ایک
رونا ہے تو اس کا کہ مسلمان نہیں ایک

رونے کے مخالف کی ہر اک سعی ہے بے سود — احساسِ الم خلقتِ آدمؑ کا ہے مقصود
دنیا میں قدم رکھتے ہی روئے جو نہ مولود — سب جانتے ہیں راہِ حیات اس پہ ہے مسدود
لازم ہے کہ منہ اشکوں سے دھوتا ہوا آئے
انسان کی فطرت ہے کہ روتا ہوا آئے

ہے فطرتِ اسلام پہ ہر طفل کی خلقت — اسلام کا دعویٰ کہ یہ ہے مذہبِ فطرت
فطرت سے ہے انسان کی بنیاد ہی رقت — رقت ہے شریعت میں بقول آپ کے بدعت
اب کہیے کہ جس دین کی فطرت پہ بنا ہے
اس دین کے بارے میں خیال آپ کا کیا ہے

جب دل پہ اثر ہوتا ہے ڈھل آتے ہیں آنسو سوزِ غمِ پنہاں سے اُبل آتے ہیں آنسو
کتنا بھی کریں ضبط نکل آتے ہیں آنسو خود بن کے شکیبائی کا پھل آتے ہیں آنسو
درد ایک امانت ہے بشر جس کا امیں ہے
جس دل میں نہ ہو درد وہ دل، دل ہی نہیں ہے

ہو جائے جو رونا کسی اسلوب سے بدعت منسوب ہوئی جاتی ہے یعقوبؑ سے بدعت
سرزد ہوئی کیا آدمؑ و ایوبؑ سے بدعت خاکم بہ دہن رب کی بھی محبوب سے بدعت
شیوہ ہے رسولوں کا سعادت اسے سمجھو
پیرو ہو محمدؐ کے عبادت اسے سمجھو

روؤ غمِ مولا میں تو ہر غم سے بچو گے ماتم یہ کرو اپنوں کے ماتم سے بچو گے
عقبیٰ کی عقوبت کے غم و ہم سے بچو گے آنکھیں جو کرو نم تو جہنم سے بچو گے
ایماں کی جلا ہوتی ہے ذکرِ شہدا سے
ڈھل جاتا ہے آئینۂ دل اشکِ عزا سے

تم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے تسلیم یہ اندازِ خرد ہم نہیں کرتے
مُردوں ہی پہ کچھ چشم کو پُر نم نہیں کرتے زندوں پہ مصائب ہوں تو کیا غم نہیں کرتے
یہ قوم کی تہذیبِ سیاسی کا ہے ماتم
انسان کی ناقدر شناسی کا ہے ماتم

اے قوم یہ غم ہے تری غفلت کا فسانا تاریخ سے آسان نہیں اس کا مٹانا
اس دیدہ دلیری کا بھلا کیا ہے ٹھکانا کد ہے کہ کرے یاد نہ محسن کو زمانا
ظلم ایک طرف، ایک طرف صبر کی تلقین
یہ صبر کی تلقین ہے یا جبر کی تلقین

ہے ضبطِ الم یوں تو کمالِ بشریت لیکن متاثر بھی تو غم سے ہو طبیعت
محسوس ہی گر غم نہ ہو کیا غم کی حقیقت دل پر نہ لگے چوٹ تو کیا صبر کی قیمت

ہے صبر تو یہ لاکھ الم ہو دل و جاں پر
اشکوں کی جھڑی میں بھی رہے شکر زباں پر

بندش سے کبھی جذبۂ ایماں نہیں رکتا امڈا ہوا آنسو سرِ مژگاں نہیں رکتا
برسوں کا برستا ہوا نیساں نہیں رکتا باندھے کوئی سو بند یہ طوفاں نہیں رکتا

صدیوں سے مٹانے کی اسے سعی رہی ہے
اب بھی ہمہ گیری غمِ سرورؑ کی وہی ہے

یہ کیا ہے کہ دل روئے مگر آنکھ نہ روئے محشر ہو عیاں پیشِ نظر آنکھ نہ روئے
برباد پیمبر کا ہو گھر، آنکھ نہ روئے کٹ جائیں نبی زادوں کے سر آنکھ نہ روئے

دل والے نہیں تا بہ فلک روتے ہیں ان کو
انسان تو انسان ملک روتے ہیں ان کو

ماتم ہے یہ اُن کا جو شہیدانِ وفا ہیں انصاف سے دیکھو تو سمجھو گے یہ کیا ہے
وہ شمعیں ہیں گل ہو کے جو آنکھوں کی ضیا ہیں خود ہو کے فنا حق کیلئے وجہِ بقا ہے

خم ہے سرِ تسلیم کہ سرداروں کا غم ہے
اے قوم یہ تیرے ہی تو غم خواروں کا غم ہے

دریائے شرافت کے شناور ہیں بہتر قربانی و ایثار کے پیکر ہیں بہتر
مسعود و پسندیدۂ داور ہیں بہتر اصحابِ پیمبرؐ سے بھی بہتر ہیں بہتر

یہ بیت وفا میں صفتِ حرفِ روی ہیں
بازوئے حسینؑ ابنِ علیؑ ان نے قوی ہیں

تعداد بہتّر کی ہے یا معنیٔ عرفاں — ہے رابطۂ ساجد و مسجود نمایاں
ہوتے ہیں بہتّر عددِ باسط و یزداں — سجدہ بھی بہتّر کے عددہی پہ ہے نازاں
مولا کی امانت سے امانت ہوئی کامل
سجدوں سے بہتّر کے عبادت ہوئی کامل

کیونکر نہ کریں ایسے رفیقوں پہ تفاخر — ہر اک ہے حبیب ابنِ مظاہر تو ہر اک حُر
ہمت میں تسلسل ہے ارادوں میں تواتر — ساونت سے ساونت بہادر سے بہادر
فاقوں میں بھی توہینِ رفاقت نہیں کرتے
ہونٹوں پہ ہے جاں لب سے شکایت نہیں کرتے

توفیق خدا نے جسے بخشی اِدھر آیا — زر چھوڑ کے حُر سوئے شہ بحر و بر آیا
جب شام کی ظلمت میں پیامِ سحر آیا — بھٹکا ہوا راہی سرِ منزل نظر آیا
قسمت کا دھنی عہدہ برآ ہوگیا پہلے
تاخیر سے آیا تھا فدا ہوگیا پہلے

بے مثل دو عالم میں ہے چھوٹا سا یہ لشکر — انصار اِدھر ہیں تو اُدھر آلِ پیمبرؐ
اٹھارہ ستارے مہِ کامل کے برابر — ہمشکلِ نبیؐ کوئی، کوئی ثانیِ حیدرؑ
عباسِ علیؑ کا کہیں ہمسر نہیں دیکھا
اکبرؑ سا زمانے میں دلاور نہیں دیکھا

عاشور کی وہ صبح، قیامت کا وہ منظر — وہ صوتِ پیمبرؐ سے اذانِ علی اکبرؑ
دنیا میں مسلسل یہ صدا گونجے نہ کیونکر — اسلام کی تا حشر حیات اس میں ہے مضمر
اس شان کا غازی، نہ موذن کوئی ہوگا
اکبرؑ سا بھی کم حق کا معاون کوئی ہوگا

سرگرمِ وغا گر یہ دلاور نظر آئے خیبر کا نظر والوں کو منظر نظر آئے
یوں زیر و زبر فوجِ بداختر نظر آئے دریا کی جگہ خوں کا سمندر نظر آئے
درپیش ابھی شامیوں کو صبحِ اجل ہو
میدان پہ شیرِ اسدِ حق کا عمل ہو

رہوار پہ جم کر جو کرے مردِ خدا وار دشوار ہے تلوار سے بچ جائیں خطاوار
پوتا ہے یداللہ کا، کیا ہاتھ ہے کیا وار ہر وار عبادت کی جزا کا ہے سزاوار
وارث ہے شجاعت میں جری ابن جری کا
اطوار علیؑ کے ہیں، سراپا ہے نبی کا

اکبرؑ ہے بہارِ چمنستانِ رسالت اس پھول میں ہے باغ کے ہر پھول کی نکہت
شبرؑ کا ہے اخلاق، پیمبر کی ہے صورت زہراؑ کی ملی عمر تو حیدرؑ کی شجاعت
ہے عزم میں سبطِ شہِ لولاک کی تصویر
ہر رخ سے یہ ہے پنجتنِ پاک کی تصویر

یہ بزمِ جہاں میں ہوا جب انجمن آرا ہر سمت یہ چرچا تھا، نبی آئے دوبارا
تھا ثانیٔ زہراؑ کو دل و جاں سے یہ پیارا او جھل ہو نظر سے یہ نہ دم بھر تھا گوارا
تصویرِ نبیؐ دیکھ کے خوش ہوتے تھے شبیرؑ
سینے پہ جو پڑتی تھی نظر روتے تھے شبیرؑ

پیش آیا سنا تھا جو پیمبرؐ کی زبانی یاد آتی تھی رہ رہ کے وہ سب غم کی کہانی
وہ خون میں ڈوبی ہوئی نانا کی نشانی برچھی کی انی، اور وہ بھرپور جوانی
وہ گرم زمیں اور وہ خوابِ علیؑ اکبرؑ
روتا ہوا بالیں پہ شبابِ علیؑ اکبرؑ

پھرتا تھا نگاہوں میں یہ جاں سوز نظارا　　دل بند کو بھالا کسی بیدرد نے مارا
محسوس سماعت کو یہ ہوتا تھا قضارا　　جیسے علی اکبرؑ نے بصد کرب پکارا
غربت میں جواں بیٹے کی جیسے اجل آئی
جیسے کہ بہن گھر سے کھلے سر نکل آئی

اللہ رے یہ صبر یہ تسلیم کا انداز　　یہ ضبطِ الم ہے دلِ شبیرؑ کا اعجاز
صرف اتنا کہا اے مرے عازی مرے جانباز　　کیا ماں نے اٹھائے تھے اسی دن کیلئے ناز
شدت میں عطش کی لب کوثر گئے بیٹا
ماں رونے کو جیتی رہی، تم مر گئے بیٹا

یہ چاند تھا گھر بھر کی نگاہوں کا اجالا　　بنتِ اسد اللہ کی آغوش کا پالا
ہم صورتِ محبوب خدا، گیسوؤں والا　　حیدرؑ سا جری، ثانیٔ حیدرؑ سا جیالا
بانوؑ کا جگر، زینبؑ دل گیر کا دل تھا
دے اس کو رضا رن کی یہ شبیرؑ کا دل تھا

مشہور جواں بیٹے سے ہے باپ کی الفت　　کس دل سے کیا ہوگا اُسے شاہ نے رخصت
دیتے بھی نہ کیوں کر اُسے میداں کی اجازت　　تھی دین کو خونِ علی اکبرؑ کی ضرورت
شکوہ نہ شکایت نہ گلہ کرتے ہیں شبیرؑ
بس وعدۂ طفلی کو وفا کرتے ہیں شبیرؑ

کیا کیا نہ الم سبطِ پیمبرؐ نے اٹھائے　　یہ دن کسی دشمن کو نہ اللہ دکھائے
یوں آنکھ کے آگے نہ پسر خوں میں نہائے　　ہر کوہِ بلا ٹوٹے پہ یہ وقت نہ آئے
پیری میں عجب بارِ گراں کھینچ رہے ہیں
بیٹے کے کلیجے سے سناں کھینچ رہے ہیں

دیکھیں تو خلیل آ کے یہ محشر کا نظارا ہے باپ کے ہاتھوں پہ جواں بیٹے کا لاشہ
پٹی ہے نہ آنکھوں پہ نہ ہاتھوں کو ہے لرزہ ہر گام پہ ہوتا ہے ادا شکر کا سجدہ

قربانی و ایثار کی تصویر کو دیکھیں
اربابِ منیٰ خواب کی تعبیر کو دیکھیں

اس سیلِ مصائب میں بہ جمیعتِ خاطر شبیرؑ کا دل تھا کہ رہا صابر و شاکر
قدرت نے کیا ہو جسے ہر امر پہ قادر امت کے لئے جبر سہے یوں متواتر

شبیرؑ زمانے میں ترا نام رہے گا
وابستہ ترے نام سے اسلام رہے گا

کرارؔ خموش! اب کہ ہوا مرثیہ کامل دے گا تری کوشش کا صلہ خالقِ عادل
تو علم کے میدان میں کب تھا کسی قابل قربیٰ کی مودت سے ہوئی سہل یہ مشکل

شیرینیٔ گفتار کہاں اور کہاں تو
لایا ہے درِ علم سے یہ طرزِ بیاں تو

☆----☆----☆----☆----☆

سلام

وہ غیروں کے بھی کام اکثر دمِ فریاد آتے ہیں
علیؑ ہر دوست دشمن کو برابر یاد آتے ہیں

قیامت ہے جہاں میں ہادیِ معکوس ہونا بھی
جہالت رنگ لاتی ہے تو حیدرؑ یاد آتے ہیں

شریکِ صلحِ شبرؑ شاملِ پیکارِ شبیریؑ
ہمیں تیغِ علیؑ کے دونوں جوہر یاد آتے ہیں

وفا کا تذکرہ جب اور جس محفل میں ہوتا ہے
علیؑ کے بعد عباسؑ دلاور یاد آتے ہیں

جنھیں اہلِ چمن نے خود ہی باغی بن کے لوٹا تھا
ریاضِ فاطمہؑ کے وہ گلِ تر یاد آتے ہیں

ہم ان کے غم کو ہر غم کی دوا سمجھے تو کیا بے جا
کہ اپنے غم میں بھی سبطِ پیمبرؐ یاد آتے ہیں

محاذِ شر پہ جو جو تھے ہوئے سب غرقِ گمنامی
محاذِ خیر پر اب تک بہتّر یاد آتے ہیں

اذانِ صبح سُن کر ہے یہ اہلِ شام کا عالم
نگاہوں میں مؤذن ہے پیمبرؐ یاد آتے ہیں

لکھا صغریٰؑ نے اے بابا وطن میں جی لگے کیونکر
کہ خالی دیکھ کر جھولے کو اصغرؑ یاد آتے ہیں

میں نقدِ اشک دے کر خلد میں گھر مول لیتا ہوں
فرشتوں کو مرے عصیاں کے دفتر یاد آتے ہیں

کسی محفل میں جب ہوتا ہے قحطِ رونقِ محفل
بڑی شدت سے واں کرّار حیدر یاد آتے ہیں

مرثیہ

دورِ ہستی میں حریفِ غمِ ایام ہے نیند

عنوان........ نیند

تعدادِ بند... ۶۵

نیند

دورِ ہستی میں حریفِ غمِ ایام ہے نیند
آبِ حیواں سے جولبریز ہے وہ جام ہے نیند
بطنِ مادر ہی سے قدرت کا اک انعام ہے نیند
زیرِ دامانِ لحد دائمی آرام ہے نیند

نیند حاصل بھی ہے تحصیل کا اقدام بھی ہے
حرفِ آغاز بھی ہے نقطۂ انجام بھی ہے

"زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب"
موت ترتیبِ عناصر میں وقوعِ تخریب
ایک ذرہ ہے بشر خلق کا جزوِ ترکیب
ہے یہ ذرہ بھی عجب اس کے ہیں جوہر بھی عجیب

افقِ کُن پہ یہ چمکے تو ستارہ ہو جائے
ٹوٹ بھی جائے تو اللہ کو پیارا ہو جائے

بحرِ ہستی کے کنارے ہیں ابد اور ازل
اک طرف خوابِ عدم ایک طرف خوابِ اجل
زیست اس لائحۂ خواب میں کچھ رد و بدل
یعنی کل سوتے تھے آج اٹھ گئے پھر سوئیں گے کل

ابدی نیند سے یوں ذہن سکوں پاتا ہے
دھوپ سے جیسے کوئی چھاؤں میں آجاتا ہے

شورشِ دہر میں اک وقفۂ آرام ہے نیند
قالب و قلب کی تسکین کا پیغام ہے نیند
حفظِ ترتیبِ عناصر کا سرانجام ہے نیند
روح بالیدہ سحر جس کی ہے وہ شام ہے نیند

نیند اڑ جائے تو پھر جان کے لالے پڑ جائیں
پائے ہستی میں ہر گام پہ چھالے پڑ جائیں

تن میں پیدا ہو مشقت سے اگر اضمحلال نیند کر دیتی ہے افسردہ طبیعت کو بحال
دار پر یوں تو نہیں نیند کے آنے کا سوال خواب خرگوش کے ماروں میں ہے ایسا بھی کمال

کاہلوں کے لئے مٹی کا کھلونا ہے نیند
بعد محنت کے میسر ہو تو سونا ہے نیند

جب بشر فرط مشقت سے تھکا ہوتا ہے یا مرض صورت گرداب بلا ہوتا ہے
سلب ہوتے ہیں قویٰ، درد سوا ہوتا ہے تن جدا ہوتا ہے شل ذہن جدا ہوتا ہے

ایسے عالم میں نہ کچھ پوچھئے کیا ہے سونا
غم ہو یا درد بہر حال دوا ہے سونا

زندگی ہو جو کبھی سیلِ حوادث سے دوچار مان لینا پڑے جب ناخنِ تدبیر کو ہار
یوں بھی کٹ جاتی ہے اکثر رہِ دشوار گذار خواب میں ہوتا ہے خاصانِ خدا کا دیدار

جب بشارت کی ضیا راہنما ہوتی ہے
نیند مومن کے لئے عقدہ کشا ہوتی ہے

اے خوشا کہف کے اصحاب کا خوابِ شیریں بن گیا جاں کی اماں، حق کی امانت کا امیں
نیند کی ایسی فضیلت، یہ وقار و تمکیں ذکر آئے لبِ قدرت پہ بہ عنوانِ حسیں

خواب بیداریِ تقدیر پہ حجت بن جائے
بات چھڑ جائے تو قرآن کی سورت بن جائے

یوں تو کہنے کو ہے سونے سے عبادت افضل مگر اس سے بھی اہم فرض ہے تنظیمِ عمل
بہرِ ترتیبِ عبادت ہے یہ شرطِ اوّل شب کی طاعت سے نہ ہو دن کے مشاغل میں خلل

سجدۂ فطرت کے تقاضوں کی جو تردید کرے
امرِ معبود قم اللّیل کی تاکید کرے

نیند اک نعمتِ عظمیٰ ہے بلا وہم وگماں ایسی نعمت جو کرے نذرِ عبادت انساں
بندگی میں اُسے ملتی ہے رضائے یزداں پھر وہ چاہے تو بدل جائے نظامِ دوراں

صبح وشام اُسکے ہوں، دن اُسکے ہوں، راتیں اسکی
فرش کیا عرشِ معلّیٰ پہ ہوں باتیں اُس کی

اسکی مرضی ہو تو گھر میں اتر آئیں تارے اک اشارے میں ہوں دو ٹکڑے مہِ کامل کے
نیند آجائے اگر امرِ خداوندی سے افقِ غرب سے ڈوبا ہوا سورج پلٹے

شاملِ حال اگر یوں کرمِ باری ہو
خوابِ شیریں پہ فدا عالمِ بیداری ہو

برمحل ہو تو ہے نیند ایک عطائے باری بے محل آئے تو ہو روح پہ غفلت طاری
ذوقِ طاعت ہو تو آسان ہے شب بیداری جی نہ لگتا ہو تو دن میں بھی ہو پلکیں بھاری

ذہن کا واک کے انداز نرالے نکلے
بزمِ توحید میں بھی اونگھنے والے نکلے

بزمِ توحید، ملائک ہیں جہاں سربہ سجود جہاں آئینۂ امکاں میں ہے واجب کی نمود
ایسے بندوں کا بھی اس بزم میں ہے آج وجود جن کی فطرت ہے بالاعلان حریفِ معبود

عہدِ حاضر کے جواں، وہم وگماں کے پیکر
روحِ آزر کے امیں عشقِ بتاں کے پیکر

یہ جوانانِ سر افتادہ و کوتاہ نظر درس گاہوں سے لیا کرتے ہیں الٹا ہی اثر
بس کہ ہے زیورِ تعلیم بھی آخر زیور طالبِ علم ہوئے جاتے ہیں نسواں پیکر

جس طرف بھی قدم اٹھتا ہے چلے جاتے ہیں
مرد وزن ایک ہی سانچے میں ڈھلے جاتے ہیں

درس و تدریس کا ماحول نہ آیا انہیں راس دل میں ہے عظمتِ استاد نہ ماں باپ کا پاس
یوں مسلماں ہیں مگر دل نہیں اسلام شناس صفِ اسلام پسندی پہ ہے ذہنوں کی اساس
طرزِ مغرب پہ مُصر تا حدِ بیداد ہیں یہ
حُریت پیشہ ہیں ہر قید سے آزاد ہیں یہ

ان کا مقصودِ تکلم ہے فقط لاف و گزاف نوعِ انساں کے تخیل ان سے ہیں دونوں اصناف
جب خطابت میں زباں ہوتی ہے سرگرمِ مصاف اور کھل جاتے ہیں دیوارِ تعقل کے شگاف
منکرِ سجدۂ آدم کو ولی مانتے ہیں
ذاتِ خالق کو یہ تخلیقِ بشر جانتے ہیں

اپنی تہذیب و تمدن سے ہیں یکسر بیزار اہلِ مغرب کی تاسی ہے عمل کا معیار
چلنے پھرنے میں بھی ہیں غیر ارادی اطوار جیسے ہوں خواب خرامی کے پرانے بیمار
عقل سرگشتہ ہوئی، فکر کا اسلوب گیا
جا کے مغرب کی طرف مہرِ یقیں ڈوب گیا

آتے ہیں بزم میں اپنوں کی بہ شکلِ اغیار غیر مانوس ہیں باتیں تو سماعت پہ ہیں بار
فکرِ آوارہ کے باعث ہے توجہ دشوار ذہنِ خوابیدہ کی تاثیر سے آنکھوں میں خمار
ہر نفس ایک تسلسل ہے غلط کاری کا
کوئی امکاں ہی نہیں بخت کی بیداری کا

لاکھ اقبالؔ کریں شکوۂ میراثِ پدر کیا کرے علمِ پدر کو کوئی کر کے ازبر
باپ کا علم ہے بیٹے کی نظر میں کمتر دورِ آہن کا ہے وہ اور یہ ایٹم پرور
ایسا اندازِ تفکر کہیں دیکھا ہی نہیں
باپ بیٹے کے مسائل کو سمجھتا ہی نہیں

رشتے ناتے بھی اس دور میں ہیں بے بنیاد — ماں کی آغوش میں بھی دور ہے ماں سے اولاد
بُعدِ نسلی کا تصور جو نہ ہوتا ایجاد — قیدِ تہذیب سے یہ نسل نہ ہوتی آزاد
اپنی کشتی جو نہ آپ اس نے ڈبوئی ہوتی
آج کیوں اسپِ خرد بیچ کے سوئی ہوتی

نسلِ نو ہے تو خطا پر مگر اتنی بھی نہیں — ابتدا اس کی ہے وہ دورِ پسِ بانیِ دیں
جب 'تغیر کے ولی' ہونے لگے تخت نشیں — اپنی مرضی سے بدلتے رہے شرعی آئیں
شارعِ عام پہ انصاف کا یوں خون ہوا
لبِ حاکم پہ جو آیا وہی قانون ہوا

صاف ظاہر ہے کھلی بات 'عیاں را چہ بیاں' — شر کا ہو دور تو کیا خیرِ عمل کا امکاں
وادیِ وہم میں کھو جائے جو ذہنِ انساں — نیند بالرائے بنے ذکرِ خدا کی میزاں
دامنِ فکر سے جب داغِ خرد دھل جائے
اس ترازو میں نمازِ سحری تل جائے

نیند کا ربط بظاہر تو عبادت سے نہیں — خلل آتا ہے نمازوں میں اگر یہ ہو قریں
اس کا مقصد جو پیمبر کی حفاظت ہو کہیں — پھر یہی نازشِ تقویٰ ہے بہ فتوائے یقیں
کلِّ ایماں سے جو حاصل اُسے نسبت ہو جائے
نیند منجملۂ ارکانِ عبادت ہو جائے

خوابِ راحت کو دیا اوجِ عبادت کس نے — کی ہے خطروں میں پیمبر کی نیابت کس نے
اپنے جلووں سے سجا دی شبِ ہجرت کس نے — کر دیا نیند کو ہمدوشِ مشیت کس نے
کیوں وفا کو نہ ہو اس جانِ وفا پر تکیہ
خواب بستر پہ محمدؐ کے خدا پر تکیہ

شبِ ہجرت ہی پہ موقوف نہیں شانِ علیؑ
وقف ہر آن رہی حق کے لئے جانِ علیؑ

پرورش دین نے پائی تہہِ دامانِ علیؑ
ماورا ہے خرد و فہم سے عرفانِ علیؑ

مرتبہ ان کا بشر جانے تو کیوں کر جانے
حق تو یہ ہے کہ خدا جانے، پیمبرؐ جانے

صاحبِ عزم قوی، نازشِ کردار علیؑ
جہدِ تبلیغ میں اللہ کی تلوار علیؑ

مجمعِ کفر میں توحید کا اقرار علیؑ
کون سمجھے کہ ہے مجموعۂ اسرار علیؑ

سرسری دیکھنے والے تو پیمبرؐ سمجھے
ہو گئی جن کی نظر خیرہ وہ داور سمجھے

عینِ اقدام پیمبرؐ تھا ہر اقدام علیؑ
تھا جو پیغامِ محمدؐ وہی پیغامِ علیؑ

دینِ اسلام ہے منت کشِ اکرامِ علیؑ
نام کا ہے وہ مسلماں جو نہ لے نامِ علیؑ

زعمِ باطل نے ہلاکت کو گوارا نہ کیا
ایسے محسن سے عدو نے بھی کنارا نہ کیا

خانۂ حق کے در و بام، در و بامِ علیؑ
وہی آغاز علیؑ اور وہی انجامِ علیؑ

صرفِ ایثار مسلسل سحر و شامِ علیؑ
بسترِ ختمِ رسلؐ، منزلِ آرامِ علیؑ

بن گئی جو سپرِ احمدِؐ مختار وہ نیند
جس سے اسلام کی قسمت ہوئی بیدار وہ نیند

بانیِ دیں ہے نبیؐ ناصرِ اسلام علیؑ
دوشِ اقدس کی قسم، کاسرِ اصنام علیؑ

فرش سے عرش بریں تک ہے بہر گام علیؑ
ایسا عالی کہ خدا کا ہوا ہمنامِ علیؑ

موت کو زیست کا سلجھا ہوا انداز دیا
جس نے اسلام کو شبیرؑ سا جانباز دیا

کون شبیرؑ! پیمبرؐ کے گھرانے کا وقار — فاطمہؑ کیش، علیؑ فکر، محمدؐ کردار
پاک دل، پاک نظر، نیک عمل، نیک شعار — کبھی ٹھہرا ہوا دریا، کبھی طوفاں بہ کنار

ہو مدینہ تو سراپائے حسنؑ ہے شبیرؑ
کربلا ہو تو شہِ قلعہ شکن ہے شبیرؑ

اعتمادِ دلِ خوددارِ رسولِؐ عربی — زیب دیتا ہے جسے تاجِ حسینِؑ منی
ہر عمل جس کا انا منی کی ہے تفسیر جلی — جس کو طوفانِ حوادث میں یہی فکر رہی

خیر سے کشتیِ اسلام کہیں پار اُترے
وعدہ طفلی کا وفا ہو تو بڑا بار اُترے

اسی مقصد کو لئے روضۂ سرور سے چلا — بہرِ تکمیلِ وفا ساتھ بھرے گھر کو لیا
دل میں اندیشۂ امروز نہ بیمِ فردا — سر ہتھیلی پہ لئے دشت بلا میں پہنچا

مطمئن تھا کہ بلا دین کی ٹل جائے گی
چین سے سوئیں گے آرام کی نیند آئے گی

نرغہ اعدا نے کیا اور نہ ہمت ٹوٹی — قحط پانی کا ہوا اور نہ ہمت ٹوٹی
اُمڈی اک سیلِ بلا اور نہ ہمت ٹوٹی — آسماں ٹوٹ پڑا اور نہ ہمت ٹوٹی

ظلم کی راہ میں اک کوہِ گراں بن کے اُٹھا
تھا اولوالعزم تو پیری میں جواں بن کے اُٹھا

شبِ ہفتم سے ہوئی ظلم کی شدت کچھ اور — قتلِ شبیرؑ کی تدبیر پہ ہونے لگا غور
بگڑے بگڑے نظر آئے سپہ شام کے طور — صبر والوں سے مگر دب کے رہی کثرتِ جور

زندہ اب تک ہیں رہِ راست پہ چلنے والے
اپنی ہی آگ میں خود جل گئے جلنے والے

کلمہ گو مسلکِ آزر پہ چلے زر کے لئے
کتنی تلواریں چڑھیں سان پہ اک سر کیلئے
لحۂ فکر ہے انصاف کے خوگر کے لئے
اس قدر کثرتِ افواج بہتر کے لئے -

ملک گیری کا ہے پہلو نہ ہوس رانی کا
کربلا نام ہے شبیرؑ کی قربانی کا

موقفِ سبطِ نبیؐ کا کے اقرار نہیں
وہ حقیقت ہے کہ دشمن کو بھی انکار نہیں
فکر کی راہ میں حائل کوئی دیوار نہیں
چشمِ بینا کے لئے فیصلہ دشوار نہیں

اک ذرا دیدۂ انصاف نگر سے دیکھو
شبِ عاشور کو بے لوث نظر سے دیکھو

اُس طرف شام کے لشکر کا جنونِ پیکار
اِس طرف جمع ہیں فرزند نبیؐ کے انصار
ذکرِ حق ہونٹوں پہ دل یادِ خدا میں بیدار
جوشِ نصرت میں ہر اک لب پہ یہی ہے گفتار

لگ گئی آنکھ تو تقدیر بھی سو جائے گی
جاگ لو آج تو کل چین سے نیند آئے گی

ایک جانب تو یہ اندازِ رفیقانِ حسینؑ
اک طرف صدق کے لہجے میں یہ اعلانِ حسینؑ
فوجِ اعدا کو ہے درکار فقط جانِ حسینؑ
جس کو جانا ہو چلا جائے یہ فرمانِ حسینؑ

تم کو ہر قید سے آزاد کئے دیتا ہوں
شمع گل کرتا ہوں بیعت بھی اٹھا لیتا ہوں

لوحِ تاریخ پہ روشن ہے جوابِ انصار
سب کی یہ عرض کہ اس لطفِ عنایت کے نثار
لیکن آقا سے جدا ہو کے ہے جینا دشوار
زندہ سو بار اگر ہوں تو فدا ہوں سو بار

پائے شبیرؑ کو معراج کی منزل سمجھیں
موت آئے تو اسے زیست کا حاصل سمجھیں

اللہ اللہ ملک وش یہ بہتر انساں	ان کے جادے میں نہیں تیرہ شبی کا امکاں
شمع بجھ جائے کہ جلتی رہے دونوں یکساں	کہ ہر اک دل میں فروزاں ہے سراجِ ایماں

دور تک شمعِ عقیدت کی ضیا جاتی ہے
روشنی حُر کی نگاہوں میں سما جاتی ہے

خیمہ حُر میں ہے کم آج کی شب ظلمتِ شام	دلِ شرمندہ سے کرتا ہے یہ رہ رہ کے کلام
میں نہیں عفو کے لائق نہ سہی وہ ہیں امام	جان کفارے میں دیدوں تو ملے کیفِ دوام

خواب دیکھا ابدی نیند کا شب بھر حُر نے
کر لیا بخت کو بیدار نہ سو کر حُر نے

صبحِ دم آ کے ہوا شامل دربارِ حسینؑ	کھینچ لائی کشش عظمتِ کردارِ حسینؑ
ہو گیا تکملۂ حلقۂ انصارِ حسینؑ	ایسے انصار جو تھے نازشِ افکارِ حسینؑ

سب ابوذر تھے زر و مال سے رغبت کیسی
ٹھہرے جانباز تو پھر زیست کی قیمت کیسی

یہ تو مرنے کیلئے آئے تھے سر دے کے گئے	ظلمتِ شام کو تنویرِ سحر دے کے گئے
چشمِ ہستی کو بصیرت کی نظر دے کے گئے	دین کے دل کی دعاؤں کو اثر دے کے گئے

جان دی اور حیاتِ ابدی تک پہنچے
بزمِ شبیرؑ سے دربارِ نبیؐ تک پہنچے

کٹ گئی فوج تو سردار کی باری آئی	شام والوں کیلئے ساعتِ خواری آئی
قہر کی لہر سوئے لشکرِ ناری آئی	رن میں فرزندِ پیمبرؐ کی سواری آئی

زندگی رُخ پہ لئے موت کے تیور نکلی
فرسِ شاہ بڑھا، تیغ دو پیکر نکلی

بڑھ کے میداں میں ہوئے معرکہ آرا سرور — الاماں کا ہوا اک شور میانِ لشکر
واسطہ دینے لگے روحِ نبی کا خودسر — رک گئی تیغِ علیؑ نامِ محمدؐ سن کر

طے ہوئی راہ، مسافر سرِ منزل پہنچا
سرِ شبیرؑ تہہ خنجرِ قاتل پہنچا

ہوگیا حشر بپا ارض و سما کے مابین — مل گیا فاطمہؑ سے فاطمہؑ کا نور العین
سرخرو ہوگیا فرزندِ رسولؐ الثقلین — عصر تک ختم ہوا سلسلۂ جہدِ حسینؑ

آسماں جھک گیا معراجِ زمیں کی خاطر
خاک پر سو گئے بیداریِ دیں کی خاطر

فتح کے باجے بجانے لگے اعدا تو وہاں — اِس طرف آلِ پیمبرؐ میں اٹھا شورِ فغاں
جشن کا لشکرِ شر میں نظر آتا تھا سماں — پھر چڑھایا گیا نیزے کی انی پر قرآں

اور اک گام رہِ ظلم میں گمراہ بڑھے
آگ لے کر طرفِ خیمۂ شاہ بڑھے

مال و اسباب لٹا، لوٹی گئی چادر بھی — سیلیاں کھائیں سکینہؑ نے چھنے گوہر بھی
جھولا اصغرؑ کا جلا، مسندِ پیغمبرؐ بھی — نذرِ آتش ہوا خاصانِ خدا کا گھر بھی

خیمے جلتے ہیں تو اک شورِ فغاں اٹھتا ہے
خانۂ فاطمہؑ زہرا سے دھواں اٹھتا ہے

ادھ جلے خیمہ میں ہیں ایک طرف اہلِ حرم — خون کے رنگ میں ڈوبی ہوئی تصویرِ الم
دل کی دھڑکن سے ہم آہنگ صدائے ماتم — کھوئی کھوئی سی نظر، رنج و محن کا عالم

غم کی بوچھار بھی ہے ظلم کی یلغار بھی ہے
بسترِ خاک پہ اک لاغر و بیمار بھی ہے

ایک بی بی درِ خیمہ پہ کھڑی ہیں مضطر　　احتیاطِ نگہہ و ضبطِ فغاں کا پیکر
جہدِ شبیرؑ کی وارث شہِ دیں کی خواہر　　کبھی خیمے پہ کبھی دشت کی راہوں پہ نظر

کبھی بیواؤں کو دیتی ہیں دلاسا زینبؑ
گرد خیمے کے کبھی پھرتی ہیں تنہا زینبؑ

ادھ جلے خیمے میں اک بار جو زینبؑ آئیں　　دیکھا اک ایک سے کہتی ہیں یہ بانوئے حزیں
کہ سکینہؑ نظر آتی نہیں بچوں میں کہیں　　لوگو ڈھونڈو تو کہاں کھو گئی وہ ماہ جبیں

یہ تو ممکن نہیں تھک کر کہیں سوتی ہوگی
باپ سے پہلے پہل چھوٹی ہے روتی ہوگی

یہ جو زینبؑ نے سنا جسم میں رعشہ آیا　　پھر گیا بھائی کی رخصت کا نظر میں نقشا
جاتے جاتے یہی فرما گئے تھے شاہِ ہدا　　اے بہن میری سکینہؑ سے خبردار ذرا

مجھ سے مانوس بہت ہے مری دختر زینبؑ
جان دے دے نہ مرے بعد یہ رو کر زینبؑ

یہ تصوّر جو بندھا کانپ اٹھی بنتِ علیؑ　　دل میں جو آگ بھڑکتی تھی وہ اشکوں میں ڈھلی
یہ صدا دیتی ہوئی جانبِ ویرانہ چلی　　اے سکینہؑ مری بچی مری نازوں کی پلی

رات اندھیری ہے مجھے راہ دکھا دو واری
تم کہاں ہو میں کدھر آؤں بتا دو واری

کسی گوشے سے نہ زینبؑ کو ملا کوئی جواب　　ظلمتِ شب میں بھٹکتی رہی چشمِ بیتاب
ٹھوکریں کھاتی بڑھی جاتی تھی با حالِ خراب　　یہی دھن تھی کہ سکینہؑ کہیں مل جائے شتاب

کبھی رو کر دلِ صحرا کو ہلا دیتی تھی
کبھی عباسؑ کو گھبرا کے صدا دیتی تھی

اسی عالم میں چلی جاتی تھی بنتِ زہراؑ دفعتاً مقتلِ شبیرؑ سے آئی یہ صدا
اے بہن صبر سے لے کام ذرا دل ٹھہرا میرے مقتل کی طرف میری صدا پر آ جا
یوں پریشاں نہ ہو اس طرح نہ گھبرا زینبؑ
سو رہی ہے مرے سینے پہ سکینہؑ زینبؑ
سن کے بھائی کی صدا زینبؑ دل گیر چلیں دل تڑپ اٹھا نظر آئی جو مقتل کی زمیں
دیکھتی کیا ہیں کہ اک لاشۂ بے سر کے قریں پاؤں پھیلائے ہوئے سوتی ہے وہ ماہ جبیں
حلقہ باہوں سے کئے حلق پہ کر رکھا ہے
لاش کے سینۂ صد چاک پہ سر رکھا ہے
بنتِ زہراؑ نے سکینہؑ کو جو سوتے دیکھا مطمئن ہو تو گئیں دل بھی مگر بھر آیا
بہرِ تسلیم جھکیں پہلے سوئے شاہِ ہدا پھر جگانے لگیں بچی کو ہلا کر شانہ
پیار سے لختِ دلِ سبطِ نبی کو دیکھا
خواب سے چونک کے بچی نے پھوپھی کو دیکھا
پوچھا زینبؑ نے کہ اے راحتِ قلبِ شبیرؑ ہم سے کیوں روٹھ گئیں کیا ہوئی ہم سے تقصیر
ماں نے کچھ کہہ دیا یا آ گئی یادِ بے شیر بی بی اصغرؑ تو اُدھر سوتے ہیں کھائے ہوئے تیر
باپ کے ہاتھ سے تربت میں جگہ پائی ہے
تین دن تڑپے تھے اب چین سے نیند آئی ہے
رو کے بچی نے کہا ایسی نہیں بات پھوپھی میں سمجھتی تھی کہ اصغرؑ تو ملیں گے نہ کبھی
رات تھی نیند کا ہنگام تھا میں کیا کرتی دشت میں ڈھونڈتی بابا کو نکل آئی تھی
کہتی جاتی تھی مجھے پاس بلا لو بابا
کتنی رات آ گئی سینے پہ سلا لو بابا

بولیں زینبؑ کہ میں واری یہ طریقہ کیا تھا
یہ شب تیرہ و تاریک، یہ پُر ہول فضا
ایسے عالم میں چلی آئیں اکیلی، یہ کیا
کچھ بتایا نہ مجھے اور نہ ماں سے پوچھا

کہیں کھو جاتیں جو صحرا میں تو میں کیا کرتی
عمر بھر بیٹھی ہوئی راستہ دیکھا کرتی

ہاں مگر یہ تو بتا مجھ کو مری لختِ جگر
اس اندھیرے میں چلی آئی یہاں تک کیونکر
نہ بیاباں کا تجھے ہوش نہ رستوں کی خبر
واری کس نے یہ بتایا کہ یہ ہے لاشِ پدر

تو ہے معصوم غم و رنج سے بے جان بھی ہے
اور یہ لاش تو بے سر بھی ہے پامال بھی ہے

کہا بچی نے پھوپھی جان عجب بات ہوئی
دشت میں ڈھونڈتی بابا کو چلی آئی تھی
ناگہاں ایک طرف نور کی اک لو اٹھی
اور مرے کان میں آئی یہ صدا بابا کی

نیند آئی ہے کلیجے سے لگا لوں بیٹی
آ، ادھر آ تجھے سینے پہ سلا لوں بیٹی

میں ادھر آئی تو یہ منظرِ حیرت دیکھا
راہ تکتے تھے مری ہاتھ اٹھائے بابا
بار بار آتی تھی یہ لاشۂ بے سر سے صدا
میری بچی، مری معصوم سکینہؑ آ جا

آخری بار ترے ناز اٹھا لے شبیرؑ
اور اک شب تجھے سینے پہ سلا لے شبیرؑ

صبح دم مجھ سے ہے رخصت تجھے ہونا بیٹی
بے سبب میرے لئے جان نہ کھونا بیٹی
چند دن کی یہ جدائی ہے نہ رونا بیٹی
حشر تک پھر مری آغوش میں سونا بیٹی

اور کچھ دن مری فرقت تجھے تڑپائے گی
وائے شام میں پھر چین سے نیند آئے گی

کربلا ختم ہوئی' زندہ ہیں لیکن اذکار — جہدِ سرور ہے دلِ اہلِ عزا میں بیدار
کیسے آرام سے سوتے ہیں شہیدائے کرار — "خواب پر ان کی ہے بیداری کونین نثار"

روح تکمیلِ فرائض سے سکوں پاتی ہے
مطمئن دل ہو تو کیا چین سے نیند آتی ہے

☆----☆----☆----☆----☆

مرثیہ

طغرئ نویسِ دفترِ مدحِ امام ہوں

امام حسینؑ

تعدادِ بند...۵۸

امام حسینؑ

طغرائی نویسِ دفترِ مدحِ امام ہوں　　صورت گرِ عناصرِ حسنِ کلام ہوں
لوحِ تعینات پہ نقشِ دوام ہوں　　ناظم ہوں اور نظم کا خود اک نظام ہوں
سو رنگ سے جو کاشفِ اسرارِ نظم ہوں
مانی بھی مان جائے کہ بہزادِ نظم ہوں

حسانِ بارگاہِ شہِ خاص و عام ہوں　　بزمِ ادب میں نامِ خدا نیک نام ہوں
کس طرح میں نہ لائقِ صد احترام ہوں　　مدحت میں جبرئیل کا قائم مقام ہوں
خلعت ملا ہے نظم کو حسنِ قبول کا
رفعت کی ہے دلیل یہ منبر رسول کا

دن ہو کہ رات لب پہ ثنائے حسینؑ ہے　　گویا زباں دہن میں برائے حسینؑ ہے
یہ زورِ طبع اجرِ ولائے حسینؑ ہے　　یہ قدرتِ کلام عطائے حسینؑ ہے
مختص ہے ذکرِ شاہ سے ذوقِ ادب مرا
کیوں کر نہ تاجدارِ سخن ہو لقب مرا

وقفِ ثنائے بادشہِ کربلا ہوں میں　　گو بے نوا ہوں قدسیوں کا ہمنوا ہوں میں
دل کی زباں سے ذاکرِ آلِ عبا ہوں میں　　بنتِ رسولِ حق کی مؤثر دعا ہوں میں
اوجِ فلک سے مرتبۂ بدر پوچھیے
رومالِ فاطمہؑ سے مری قدر پوچھیے

باصد شعور ذاکرِ آلِ رسولؐ ہوں　　کرتا ہوں میں ثنا سی ثنا' بااصول ہوں
دنیا ہو ناشناس تو میں کیوں ملول ہوں　　خوش ہوں کہ عندلیبِ ریاضِ بتولؑ ہوں
تعریف کی طلب نہ تمنا ہے داد کی
پروا ہے صرف آلِ محمدؐ کے صاد کی

مداح اُن کا ہوں جو ہیں ممدوحِ کردگار　　میرا بھی کیا عجب جو فرشتوں میں ہو شمار
میری ثنا گری کا نہیں داد پر مدار　　بے لوث مدحِ آلِ نبیؐ ہے مرا شعار
نام و نمود سے نہ سیاست سے کام ہے
بندہ ہوں اہل بیت کا مدحت سے کام ہے

قائم ہے راستی پہ تفکر کا زاویہ　　لکھتا ہوں مرثیہ تو بہ عنوانِ مرثیہ
کیوں مدح پر لگاؤں سیاست کا حاشیہ　　شعر و سخن میں تنگ نہیں میرا قافیہ
کیا واسطہ خودی کا ثنائے امامؑ سے
کارِ خدا محال ہے افکارِ خام سے

محتاجِ آبِ داد نہیں ہے سخن کی کشت　　اتراؤں بل پہ غیر کے میری نہیں سرشت
دوزخ کا حکم رکھتا ہے یہ خطِ سرنوشت　　"رفتن بہ پائے مردی ہمسایہ در بہشت"
دریا جو آپ سے نہ رواں ہو وہ خشک ہے
عطار کے بغیر جو مہکے وہ مشک ہے

فیضانِ بابِ علم سے کس شے کی ہے کمی　　موزوں ہے طبع' ذہن رسا' فکر ہے قوی
بغض و حسد سے پاک ہے صحت دماغ کی　　کرتا نہیں میں قوتِ بازو سے شاعری
مداح سب ہیں ایک کہ ممدوح ایک ہے
پیکر جدا جدا ہیں مگر روح ایک ہے

ہر مدح خواں کا ہم کو مقدم ہے احترام — وہ بھی غلام انھیں کے ہیں جن کے ہیں ہم غلام

کلکِ ثنا کو سمجھیں اگر تیغِ بے نیام — بھٹکے گی وادیِ عصبیت میں فکرِ جام

یہ بزم بزمِ خسروِ عالم پناہ ہے

مجلس کو رزم گاہ سمجھنا گناہ ہے

اربابِ فن ہزار کریں صرف نحو و صرف — گو ہو سخن پہ لاکھ جڑے صنعتوں کی برف

خالی اگر خلوص کی مے سے ہے دل کا ظرف — حق تو یہ ہے کلام پہ آتا ہے ان کے حرف

اپنوں سے معرکہ یہ کہاں کا جہاد ہے

شاملِ خطا ہے جس میں یہ وہ اجتہاد ہے

کرتا ہوں مدح مدح کا عنواں نظر میں ہے — عترت کا ذکر لب پہ ہے قرآں نظر میں ہے

دنیا کا لطف اور نہ احساں نظر میں ہے — گر ہے تو صرف مرضیٔ یزداں نظر میں ہے

رفرف کی سب ہے شانِ قلم کے کمیت میں

معراج کی ہے بات مری بیت بیت میں

وردِ زباں ثنائے شہِ خاص و عام ہے — دل مطمئن ہے کام سے بس اپنے کام ہے

جس میں نہیں کلام وہ میرا کلام ہے — مداحِ اہلِ بیت ہوں کرّار نام ہے

بچپن سے ہے امینِ سخن پروری زباں

ہے مدحِ اہلِ بیت مری مادری زباں

جز اہلِ بیت مدح سرائی کے باب میں — جچتا نہیں کوئی نگہِ انتخاب میں

زر کس شمار میں ہے غنی کس حساب میں — دل بادشہ ہے بندگیِ بوتراب میں

دامن میں اپنے فقر کی دولت لئے ہوئے

بوذر صفت ہوں زر سے کنارہ کئے ہوئے

ہے مرکزِ خیال جو خیر الوریٰ کی آل　　پرواز ہے خیال کی تا عرشِ ذوالجلال
تائیدِ اہلِ بیتِ نبیؐ ہے شریکِ حال　　حاصل ہے وہ کمال کہ جس کو نہیں زوال
ہے روشنی چراغِ بصیرت کی دور تک
اک ضو ہے لاشعور سے باہم شعور تک

اللہ رے بارگاہِ شہنشاہِ کربلا　　شافی نے اس کے ذرّوں کو دی قوتِ شفا
وابستہ اس کی خاک سے ہے زہد و اتقا　　اس ارضِ پاک پر ہے فضیلت کی انتہا
یہ سرزمیں حسینؑ نے سر دے کے پائی ہے
روضہ نبی کا چھوڑ کے بستی بسائی ہے

رفعت میں آسماں سے فزوں تر ہے یہ زمیں　　پرتو سے نورِ حق کے منور ہے یہ زمیں
صد افتخارِ کعبۂ داور ہے یہ زمیں　　دینِ محمدیؐ کا مقدر ہے یہ زمیں
مردانِ حق شناس کی آرام گاہ ہے
اب تک خدا کے دین کی جائے پناہ ہے

وہ کربلا جو مرکزِ اہلِ نگاہ ہے　　جو رفعتوں میں عرشِ علا کی کلاہ ہے
قدسی ہیں سر بہ سجدہ یہ وہ بارگاہ ہے　　یوسفؑ کو آج تک اسی کنعاں کی چاہ
یاں ضبطِ غم بحال ہے ایوبؑ کی قسم
دل رو رہے ہیں گریۂ یعقوبؑ کی قسم

ایثار و سرفروشی و جانبازی و وفا　　احسانِ فرض، جوشِ عمل، جذبۂ ولا
صبر و شکیب، صدق و صفا، زہد و اتقا　　مل جائیں سب تو ملتی ہے تصویرِ کربلا
ہے اک سدا بہارِ گلستاں شعور کا
آیات سے سجا ہوا قرآں شعور کا

اربابِ حق پرست کی منزل ہے یہ زمیں
تخلیقِ کائنات کا حاصل ہے یہ زمیں

کعبہ پکارتا ہے مرادل ہے یہ زمیں
سجدے کرو سجود کے قابل ہے یہ زمیں

قبلہ خدا کا گھر ہے تو قبلہ نما ہے یہ
اے خوگرانِ طاعتِ رب' کربلا ہے یہ

اس در سے آج تک کوئی خالی پھرا نہیں
جز اس کے بینِ بندہ و رب' واسطہ نہیں

نا آشنا اثر سے کسی کی دعا نہیں
کہہ دے کوئی کہ دل سے جو مانگا ملا نہیں؛

قبلِ سوال دولت بے انتہا ملے
پوری نہ ہو دعا کہ دُرِ مدعا ملے

قائم ہیں اس زمیں پہ بہتر نشانِ حق
ہر روضہ ہے شعور کے مصحف کا اک ورق

دیوار و در سے ملتا ہے ایثار کا سبق
دار العلوم بن گیا اک دشتِ لق و دق

اک سلسلہ سراجِ حقیقت کے نور کا
سنگم بنا ہوا ہے شعار و شعور کا

یہ وہ تھے جن پہ ختم ہوئی نصرتِ خدا
حق کوش و حق پرست و حق آثار و حق نما

محسن انہیں سمجھتے تھے محبوب کبریا
ان سب کے حق میں ثانیِ زہرا نے کی دعا

حق کے نقیب' خاصۂ حق کے ندیم تھے
یہ سب شریکِ مقصدِ ذبحِ عظیم تھے

مسدود بابِ امن جو شیطاں نے کر دیا
مشکل کو سہل لشکرِ یزداں نے کر دیا

نرغہ جو دیں پہ دشمنِ ایماں نے کر دیا
سامانِ زیست بے سروساماں نے کر دیا

توڑا ہے زعم کثرتِ افواجِ شام کا
خلعت پہن لیا ہے بقائے دوام کا

طوفاں سے پار دیں کا سفینہ لگا دیا	آنکھوں کو نور بخش کے بینا بنا دیا
عزت کی زندگی کا قرینہ بتا دیا	مرنے کا ڈھنگ ڈھنگ سے جینا سکھا دیا

دنیائے آگہی پہ ہے احسانِ کربلا
انسانیت فدائے دبستانِ کربلا

اللہ رے شکوہ زہے شانِ کربلا	روحِ ظفر تھا لشکرِ سلطانِ کربلا
کیا بات کے دھنی تھے جوانانِ کربلا	جیتا ہے جان ہار کے میدانِ کربلا

سالک رہِ صواب کے یہ عمر بھر رہے
جب تک جیے امامِ زماں کی سپر رہے

جو حُسنِ گلشنِ فکاں کا ہے زیور وہ کربلا	جو ہے کمالِ صنعتِ داور وہ کربلا
رضواں ہے جس کی شان سے ششدر وہ کربلا	جو کل بلندیوں سے ہے برتر وہ کربلا

خم اس زمین کے سامنے دارالنعیم ہے
دامن پہ فرشِ خاک کے عرشِ عظیم ہے

شمعِ حریمِ لم یزلی رہنما حسینؑ	روشن سراجِ جادۂ صبر و رضا حسینؑ
راہِ وفا میں کشتۂ تیغِ جفا حسینؑ	بعدِ فنا بھی زینتِ لوحِ بقا حسینؑ

ہوگا یہی شعور کا انداز حشر تک
گونجے گی "یا حسینؑ" کی آواز حشر تک

بعدِ رسولؐ ہادیٔ ثالث حسینؑ ہے	کل انبیا کی شان کا وارث حسینؑ ہے
گو مبتلائے سیلِ حوادث حسینؑ ہے	اسلام کی حیات کا باعث حسینؑ ہے

نوکِ سناں پہ اوجِ شہادت ملا جسے
سر نذر کر کے تاجِ فضیلت ملا جسے

بندہ مگر ازل سے مشیت کا راز داں　　ربطِ دوام ممکن و واجب کے درمیاں
تبلیغ حق کی جاں، متکلم کا ہم زباں　　ہر قولِ دل نشیں تو دل آویز ہر بیاں
مصروف ذکرِ حق میں جو بیدیں پناہ ہو
منکر کے لب پہ اشھد ان لا الٰہ ہو

ہر دور میں جو حامی امت ہے وہ حسینؑ　　سرنامہ کتابِ شہادت ہے وہ حسینؑ
جس کی محبت اجرِ رسالت ہے وہ حسینؑ　　رونا بھی جس پہ عینِ عبادت ہے وہ حسینؑ
پیاسے نے فیضِ عام کا دریا بہا دیا
طوفان جو اٹھا اُسے ساحل بنا دیا

ایوانِ ظلم و جبر کو مسمار کر دیا　　راہِ عمل کو خیر سے ہموار کر دیا
انساں کو پھر اصول سے دوچار کر دیا　　خاکِ قدم کو معرفت آثار کر دیا
خونِ جگر سے رنگ بہاروں میں بھر دیا
جنگل کو رشکِ گلشنِ فردوس کر دیا

کی مور پر نظر تو سلیماں بنا دیا　　ذرّے کو آفتابِ درخشاں بنا دیا
صد پارہ دل کو پارۂ قرآں بنا دیا　　اک شب میں حُرؑ کو صاحبِ عرفاں بنا دیا
اعجاز کے سوا کہیں کیا اس نگاہ کو
منزل پہ کھینچ لاتی ہے گم کردہ راہ کو

مثلِ رسولؐ فخرِ خلائق حسینؑ ہے　　ہر عز و احترام کے لائق حسینؑ ہے
نورِ مبینِ طورِ حقائق حسینؑ ہے　　دوشِ نبیؐ کے اوج پہ فائق حسینؑ ہے
رفعت کی انتہا ہے کہ رفعت کو ناز ہے
ایسا نگیں کہ مہرِ نبوت کو ناز ہے

ماوٰ تمامٌ باعث یدِ بیمِ کرم مختارِ خلقٌ فخرِ مللٌ نازشِ امم
کس کو بجز حسینؑ و حسنؑ یہ ملا حشم کتفِ نبیؐ پہ ناز سے رکھ دے اگر قدم

اترے یہ وحیٔ قبلۂ اربابِ ہوش پر
سجدے کو طول دو کہ نواسا ہے دوش پر

سر دے جو بات پر وہ دلاور حسینؑ ہے خود اپنے جوئے خوں کا شناور حسینؑ ہے
نورِ نگاہِ ضیغمِ داور حسینؑ ہے لاکھوں کے دل پہ وقتِ وغا ور حسینؑ ہے

حاجت جہاد کی نہیں اس باوفا کے بعد
تیغِ خدا نیام میں ہے کربلا کے بعد

اسلام کی جو فتحِ مکمل ہے وہ حسینؑ تاریخِ دیں کا بابِ مفصل ہے وہ حسینؑ
حق کا جو اک ثبوتِ مدلل ہے وہ حسینؑ باطل کا ہوش جس سے معطل ہے وہ حسینؑ

طوفاں مخالفت کا اگر ہو تو روک دیں
نام اُسکا لیکے آج بھی باطل کو ٹوک دیں

مشکل کشائے خلقِ خدا، مردِ باخدا امت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کا ناخدا
یہ ہے جدا خدا سے نہ اس سے جدا خدا اس سے نبیؐ نبیؐ ہے، اسی سے خدا خدا

اصلِ اصولِ دیں بھی یہ ہے دیں پناہ بھی
شاہد بھی، روحِ اشھد ان لا الٰہ بھی

دنیا ہے اس مسیح کی بیمار آج تک مصروف ذکر میں ہیں عزادار آج تک
رہتا ہے در پہ مجمعِ زوار آج تک آباد ہے لٹی ہوئی سرکار آج تک

مشتاقِ اذن شہ کے وفادار اب بھی ہیں
حاضر درِ حسینؑ پہ انصار اب بھی ہیں

عشقِ حسینؑ دیتا ہے جب دعوتِ سفر زائر خوشی سے جھیلتے ہیں کلفتِ سفر
جاتے ہیں وہ بھی جن کو نہیں قدرتِ سفر رحمت ہے زائروں کے لئے زحمتِ سفر

راضی ہیں گر نہ راہ میں راحت نصیب ہو
بس ارضِ کربلا کی زیارت نصیب ہو

زائر کا ہر قدم پہ خدا دستگیر ہے پیہم نزولِ رحمتِ ربِّ قدیر ہے
نورِ ازل کی یاد سے روشن ضمیر ہے خاکِ شفا سے زائرِ شہ کا خمیر ہے

پردیس میں یہ مرتبہ یہ شان دیکھئے
مہمانِ کربلا کے ہیں مہمان دیکھئے

زائر کے یہ شرف یہ مراتب خدا کی شان برتر ملائکہ سے ہے اِس باوفا کی شان
مخصوص ہے صحابیِ خیر الورا کی شان لیکن سوا ہے زائرِ کرب و بلا کی شان

دنیا میں ہیں شریک دعائیں بتولؑ کی
عقبیٰ میں ساتھ ہوگی شفاعت رسولؐ کی

کس درجہ سخت ہوگی وہ منزل حساب کی حالت امید و بیم میں اک اضطراب کی
الفت نہ ساتھ دے گی کسی شیخ و شاب کی کام آئے گی ولا خلفِ بوترابؑ کی

بس ہوگی کارگر تو محبت حسینؑ کی
مشکل کو حل کرے گی زیارت حسینؑ کی

قربت سے آفتاب کے ہوگا نہ اضطراب سایہ کرے گی رحمتِ رب صورتِ سحاب
اِن کے سروں سے حشر میں پلٹے گا آفتاب اللہ رے زائرینِ جگر بندِ بوترابؑ

حق ہے کہ جب ہو فیض جنابِ امیرؑ کا
بنتا ہے آفتاب کرہ زمہریر کا

محشر میں جمع ہوں گے یہ زوارِ کربلا
جس طرح منعقد ہو کوئی مجلسِ عزا
اک تازہ حشر حشر میں ہو جائے گا بپا
حق سے جب استغاثہ کریں گی یہ فاطمہؑ
تو دادرس ہے داد طلب کرنے آئی ہوں
یارب ترے حضور میں فریاد لائی ہوں

واقف ہے تو کئے ہیں جو اُمت نے مجھ پہ جور
بعدِ نبیؐ بدل گئے آلِ نبیؐ سے طور
قرآں کا پاس تھا نہ احادیث پر تھا غور
کوشش یہی تھی ظلم ہو سادات پر کچھ اور
تبلیغِ دینِ حق کے محاسب ہوئے شقی
ہم سے قصاصِ بدر کے طالب ہوئے شقی

یوں ہم سے منحرف ہوئے وہ بانیِ جفا
بیٹی کا اپنے باپ پہ رونا بھی بار تھا
طوفان ابتلا کا یہیں تک نہ تھم سکا
احراقِ در کا ظلم ہوا مجھ پہ دوسرا
طاری ستمگروں پہ تھا عالم جنون کا
دامن پہ اب بھی داغ ہے محسنؑ کے خون کا

دارِ محن میں ہم پہ محن پر پڑا محن
گردن میں تیرے شیر کی باندھی گئی رسن
مسجد میں قتل ہو گیا خیبر کا صف شکن
زہرِ دغا کی نذر ہوا پھر مرا حسنؑ
یہ بغض تھا حسینؑ سے ہر بد خصال کو
کعبے میں بھی اماں نہ ملی میرے لال کو

کیا کیا مصیبتیں تھیں میں کیونکر کروں بیاں
آنکھوں میں پھر رہا ہے وہ عاشور کا سماں
وہ تین دن کی پیاس وہ سوکھی ہوئی زباں
بھالا ستم کا اور علی اکبرؑ سا نوجواں
بھولے ہوئے تھے یوں کلمہ گو اصول کو
سمجھے نہ احترامِ شبیہ رسولؐ کو

جانکاہ ہے شہادتِ اصغرؑ کی داستاں   کتنا شدید باپ کی ہمت کا امتحاں
یارب کجا جہاد کجا طفلِ بے زباں   بچپن میں یہ شعور کا انداز الاماں
وہ ظلم اُدھر کہ رو دیا ظالم چلا کے تیر
یہ جذب اِدھر کہ ہنس دیا بے شیر کھا کے تیر

اک حشر یوں تو داغ تھا ہر اک شہید کا   تھا سب سے جاں گسل غمِ عباسؑ باوفا
ایسا وفا سرشت برادر کہے ملا   پابندیوں میں رہ کے جو سر کر گیا وغا
یہ پاس تھا وفا کا دلِ حق شناس کو
آبِ رواں میں بھول گیا اپنی پیاس کو

اک دوپہر میں کٹ گیا لشکر ہزار حیف   بچھڑے تمام ناصر و یاور ہزار حیف
صدمہ پسر کا' داغِ برادر ہزار حیف   غم کس قدر تھے ایک جگر پر ہزار حیف
بیٹے بھتیجے بھانجے بھائی جدا ہوئے
تنہا رہے حسینؑ فدائی جدا ہوئے

وہ چار سمت نرغۂ افواجِ بد شعار   تیغوں کی زد پہ ضیغمِ داور کا ورثہ دار
وہ ضعف اور وہ عزمِ قوی وقت کا زار   جھکنا تعب سے جھک کے سنبھلنا وہ بار بار
ہر چند بھوک پیاس سے حالت تباہ تھی
اس کرب میں بھی مرضیِ حق پر نگاہ تھی

اب تک وہ قتل گاہ کا نقشہ نظر میں ہے   لٹتی ہوئی غریب کی دنیا نظر میں ہے
شدت وہ پیاس کی لبِ دریا نظر میں ہے   بیکس کے گرد کثرتِ اعدا نظر میں ہے
سب درپئے قتالِ شہِ مشرقین تھے
دو لاکھ دشمنوں میں اکیلے حسینؑ تھے

کیا کیا غم و الم کا فسانہ بیاں کروں　　قاتل کا آستین چڑھانا بیاں کروں
خنجر گلوئے شہ پہ چلانا بیاں کروں　　زینبؑ کا سر کھلے نکل آنا بیاں کروں
غم سے نڈھال بالوں سے منہ ڈھانپتی ہوئی
صدمے سے کربلا کی زمیں کانپتی ہوئی

مر کے بھی چین پا نہ سکا فاطمہؑ کا لال　　لاشہ ہوا غریب مسافر کا پائمال
خیمے جلے اسیر ہوئی مصطفیٰؐ کی آل　　توڑے گئے وہ ظلم کہ جینا ہوا وبال
وہ سیلیاں سکینہؑ کے رخسار کے لئے
وہ اہتمام طوق کا بیمار کے لئے

یارب میں ساتھ لائی ہوں مظلوم کی قبا　　ٹوٹی کمر میں جو کہ بندھی تھی وہی ردا
حربوں سے چاک چاک ہوئی تھی جو وہ عبا　　ہاتھوں میں ہے مرے وہی عمامہ خوں بھرا
پوشاک لٹ گئی تھی یہی میرے لال کی
اب تک ہے اس میں بو مرے یوسف جمال کی

کرّار بس کہ دل پہ ہے اب یورشِ الم　　خالق سے کر دعا کہ نہ جوشِ ولا ہو کم
نکھرے شعارِ مدح، بڑھے قوتِ رقم　　میں ہوں، یہ دل ہو اور شہ کربلا کا غم
دل میں شعورِ غم سے سدا روشنی رہے
بندے کی بات راہِ خدا میں بنی رہے

☆---☆---☆---☆---☆

مرثیہ

اقدارِ زندگی کا دبستاں ہے کربلا

عنوان....... کربلا

تعدادِ بند... ۶۲

مرثیہ

اقدارِ زندگی کا دبستاں ہے کربلا
تکتی ہے فکر جس میں وہ میزاں ہے کربلا
دیکھو تو ایک جنگ کا میداں ہے کربلا
سمجھو تو دیں کا خونِ رگِ جاں ہے کربلا

راحت کی اک نوید ملی ہر بلا کے ساتھ
پیوست ہو کے رہ گیا حق کربلا کے ساتھ

دینِ خدا کی نشأۃ ثانی کا بندوبست
یوں کربلا میں کر گئے اربابِ حق پرست
حق سربلند ہو گیا باطل کو کر کے پست
مظلومیت نے ظلم کو دی دائمی شکست

لٹ کر بھی رونقِ چمنِ روزگار ہے
گلزارِ فاطمہؑ کی خزاں بھی بہار ہے

مانا کہ کربلا میں لٹا گھر رسولؐ کا
لیکن شکست و فتح کا آساں ہے فیصلہ
شبیرؑ سے بر آیا مشیت کا مدعا
تاریخ کیا کہے گی اسے فتح کے سوا

قوت عمل سے ردِ عمل کی مزید ہے
"قتل حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے"

ہے یہ مآلِ آلِ نبیؐ سے عناد کا
لفظِ یزید ہے مترادف فساد کا
اب تک ہے سرنگوں جو علم ارتداد کا
یہ سب اثر ہے ایک حسینی جہاد کا

دشمن قیامِ شر کے لئے بدحواس تھا
سبطِ نبیؐ کو حفظِ شریعت کا پاس تھا

سردارِ خلد خواہش دنیا نہ کرسکا آنچ آئے دین پر یہ گوارا نہ کرسکا
نا اہل سے تعاونِ بے جا نہ کرسکا سر دے دیا اصول کا سودا نہ کرسکا

سب جانتے ہیں ظلم کا انجام کیا ہوا
مظلوم زندہ رہ گیا ظالم فنا ہوا

اوچھا یزید شوم کا ہر وار ہوگیا جو داؤ آزمایا وہ بے کار ہوگیا
اپنے ہی دامِ شر میں گرفتار ہوگیا آخر خدا کے قہر سے فی النار ہوگیا

باطل نے مات کھائی حسینؑ شہید سے
لعنت لپٹ کے رہ گئی نامِ یزید سے

مفہوم ہے یزید کا اب جبر و اشتداد اس نام سے سوائے بدی کچھ نہیں مراد
خالص خطا پہ رکھے جو بنیادِ اجتہاد ایسے پہ اہلِ ہوش کریں خاک اعتماد

لعنت کرے نہ اس پہ زمانہ تو کیا کرے
ناری ہے جو یزید کی مدح و ثنا کرے

خود سوچئے یزید کجا اور کجا حسینؑ رہزن رہِ حیات کا وہ رہنما حسینؑ
وہ تیرگی شام سحر کی ضیا حسینؑ وہ بندۂ خودی تو خدا آشنا حسینؑ

ہر دور میں یزید کی مٹی خراب ہے
ہر زاویے سے سبطِ نبی کامیاب ہے

مثلِ رسولؐ فخرِ خلائق حسینؑ ہے ہر عزّ و احترام کے لائق حسینؑ ہے
نورِ مبینِ طورِ حقائق حسینؑ ہے دوشِ نبیؐ کے اوج پہ فائق حسینؑ ہے

رفعت کی انتہا ہے کہ رفعت کو ناز ہے
ایسا نگیں کہ مہرِ نبوت کو ناز ہے

بندہ مگر ازل سے مشیت کا راز داں ربطِ دوامِ واجب و ممکن کے درمیاں
تبلیغِ حق کی جاں، متکلم کا ہم زباں ہر قول دل نشیں تو دل آویز ہر بیاں

مصروف ذکرِ حق میں جو یہ حق پناہ ہو
مشرک کے لب پہ اشہد ان لا الٰہ ہو

حق کا جو اک ثبوت مدلّل ہے وہ حسینؑ باطل کا ہوش جس سے معطّل ہے وہ حسینؑ
ایمان کی جو شرحِ مفصل ہے وہ حسینؑ اسلام کی جو فتحِ مکمل ہے وہ حسینؑ

بابِ جہاد بند ہے اس باوفا کے بعد
تیغِ خدا نیام میں ہے کربلا کے بعد

جس کیلئے جہاں کی سیادت ہے وہ حسینؑ جس کی ولا کمالِ سعادت ہے وہ حسینؑ
سرنامۂ کتابِ شہادت ہے وہ حسینؑ رونا بھی جس کو عینِ عبادت ہے وہ حسینؑ

پیاسے نے فیضِ عام کا دریا بہا دیا
طوفاں جہاں اٹھا وہیں ساحل بنا دیا

ایوانِ ظلم و جور کو مسمار کر دیا راہِ عمل کو خیر سے ہموار کر دیا
تاریک رات کو سحر آثار کر دیا انسانیت کو خواب سے بیدار کر دیا

خونِ جگر سے دین کا افسانہ لکھ دیا
انساں کے حق میں خلد کا پروانہ لکھ دیا

ذرّے کو آفتابِ درخشاں بنا دیا کی مور پر نظر تو سلیماں بنا دیا
صد پارہ دل کو پارۂ قرآں بنا دیا اک شب میں حُر کو صاحبِ عرفاں بنا دیا

اعجاز کے سوا کہیں کیا اُس نگاہ کو
منزل پہ کھینچ لائے جو گم کردہ راہ کو

مشکل کشائے خلقِ خدا، مردِ با خدا — امت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کا ناخدا
ہوتا نہ اس کے جہد کا گر مدعا خدا — وردِ زبانِ خلق نہ رہتا خدا خدا
اصلِ اصولِ دیں بھی یہ ہے دیں پناہ بھی
شاہد بھی، روحِ اشہد ان لا الٰہ بھی

سبطِ رسولؐ شارحِ مفہومِ لا الٰہ — سائے میں تیغِ شرک کے توحید کا گواہ
ہر کاروانِ حق کے لیے اک چراغِ راہ — آنکھوں کو نور بخشتی ہے جس کی ہر نگاہ
دل میں ہو جس کے سوزِ تجسس چلا چلے
جس کو تلاشِ حق ہو سوئے کربلا چلے

دنیا ہے اس مسیح کی بیمار آج تک — مصروفِ ذکر میں ہیں عزادار آج تک
رہتا ہے در پہ مجمعِ زوّار آج تک — آباد ہے لٹی ہوئی سرکار آج تک
مشتاقِ اذنِ شہ کے عزادار اب بھی ہیں
حاضر درِ حسینؑ پہ انصار اب بھی ہیں

عشقِ حسینؑ دیتا ہے جب دعوتِ سفر — زائر خوشی سے جھیلتے ہیں کلفتِ سفر
جاتے ہیں وہ بھی جن کو نہیں قدرتِ سفر — رحمت ہے زائروں کیلئے زحمتِ سفر
راضی ہیں گر نہ راہ میں راحت نصیب ہو
بس ارضِ کربلا کی زیارت نصیب ہو

زائر کا ہر قدم پہ خدا دستگیر ہے — پیہم نزولِ رحمتِ ربِ قدیر ہے
رتبہ ہے بے مثال، شرف بے نظیر ہے — دربارِ شہ میں اپنے وطن کا سفیر ہے
دنیا میں ہیں شریکِ دعائیں بتولؑ کی
عقبیٰ میں ساتھ ہو گی شفاعت رسولؐ کی

مطلق نہ ہوگا گرمیِ محشر سے اضطراب
سایہ کرے گی رحمتِ رب صورتِ سحاب
اللہ رے زائرینِ جگر بندِ بوترابؑ
انکے سروں سے حشر میں پلٹے گا آفتاب
حقا کہ ہو جو فیض جنابِ امیرؑ کا
بن جائے آفتاب کرہ زمہریر کا

زائر کے یہ شرف، یہ مراتب، خدا کی شان
ہمسر ملائکہ کی ہے اس باوفا کی شان
یہ اوج، یہ بلندیاں، یہ ارتقا کی شان
سب اس میں ہے صحابیِ خیر الورا کی شان
جب یہ ہے ایک زائرِ سرورؑ کا مرتبہ
کیا ہوگا کربلا کے بہتر کا مرتبہ

اللہ رے بارگاہِ شہنشاہِ کربلا
اس سرزمین پر ہے فضیلت کی انتہا
شافی نے اس کی خاک کو دی قوتِ شفا
مربوط اس سے سجدۂ معبود ہوگیا
یہ خاکِ پاک فخرِ جبینِ نیاز ہے
کیا سجدہ گاہ ہے کہ عبادت کو ناز ہے

اربابِ حق پرست کی منزل ہے کربلا
تخلیقِ کائنات کا حاصل ہے کربلا
کعبہ پکارتا ہے مرا دل ہے کربلا
سجدے کرو سجود کے قابل ہے کربلا
قبلہ خدا کا گھر ہے تو قبلہ نما ہے یہ
وہ تختِ سجدہ، سجدہ گہہ اتقیا ہے یہ

رفعت میں آسماں سے فزوں تر ہے یہ زمیں
پرتو سے نورِ حق کے منور ہے یہ زمیں
ام القریٰ کی طرح مطہر ہے یہ زمیں
دینِ محمدیؐ کا مقدر ہے یہ زمیں
مردانِ حق شناس کی آرام گاہ ہے
اب تک خدا کے دین کی جائے پناہ ہے

وہ کربلا منیٰ کا جو انجامِ کار ہے　　راہِ یقیں میں اک شجرِ سایہ دار ہے
عالم پہ اس زمیں کا شرف آشکار ہے　　کتنے فلک نشینوں کا دارالقرار ہے
سرمہ ہے چشمِ حور کا ہر نقشِ پا کی خاک
آنکھوں سے مل رہے ہیں ملک کربلا کی خاک

جو حسنِ کن فکاں کا ہے زیور وہ کربلا　　جو ہے کمالِ صنعتِ داور وہ کربلا
رضواں ہے جس کی شان سے ششدر وہ کربلا　　جو کل بلندیوں سے ہے برتر وہ کربلا
خم اس زمیں کے سامنے دارالنعیم ہے
دامن میں فرشِ خاک کے عرشِ عظیم ہے

قائم ہیں اس زمیں پہ بہتر نشانِ حق　　روضہ ہر اک ہے مصحفِ تسلیم کا ورق
دیوار و در سے ملتا ہے ایثار کا سبق　　دارالعلوم بن گیا اک دشتِ لق دق
اک سلسلہ ہے شمعِ حقیقت کے نور کا
سنگم بنا ہوا ہے شعار و شعور کا

اللہ رے شکوہ زہے شانِ کربلا　　روحِ ظفر تھا لشکرِ سلطانِ کربلا
کیا بات کے دھنی تھے جوانانِ کربلا　　جیتا ہے جان ہار کے میدانِ کربلا
سالکِ رہِ صواب کے یہ عمر بھر رہے
جب تک جیے امامِ زماں کی سپر رہے

مسدود بابِ امن جو شیطاں نے کر دیا　　مشکل کو سہل لشکرِ یزداں نے کر دیا
نرغہ جو دیں پہ دشمنِ ایماں نے کر دیا　　سامانِ زیست بے سروساماں نے کر دیا
توڑا ہے زعم کثرتِ افواجِ شام کا
خلعت پہن لیا ہے بقائے دوام کا

ان غازیوں پہ ختم ہوئی نصرتِ خدا　　یہ سب تھے حق پرست، حق آثار، حق نما
محسن انہیں سمجھتے تھے محبوبِ کبریا　　ان سب کے حق میں ثانیٔ زہرا نے کی دعا

حق کے نقیب، خاصۂ حق کے ندیم ہیں
یہ سب شریکِ مقصدِ ذبحِ عظیم ہیں

سب منفرد ہیں طفلی و پیری ہو یا شباب　　بے مثل ہے حسینؑ کا یہ حُسنِ انتخاب
اس بے نظیر آئینہ خانے کا کیا جواب　　کثرت ہے عکس کی کہ بہتر ہیں آفتاب

تنویر تا بہ حدِ نظر انتہا پہ ہے
سیلاب نور کا افقِ کربلا پہ ہے

پھیلی ہوئی ہے حق کی ضیا دور دور تک　　ہے برق کربلا میں تجلی ہے طور تک
حاصل ہے نوریوں کو رسائی جو نور تک　　اک ضو ہے لاشعور سے بامِ شعور تک

مولا کی خاکِ پا سے مرتّب ضمیر ہے
دل جگمگائے جاتے ہیں روشن ضمیر ہے

ملتا ہے کربلا سے شعورِ وفا کا درس　　ایثار و سرفروشی و صبر و رضا کا درس
تسلیمِ جاں کا درس، دوامی بقا کا درس　　ہر حال میں تحفظ دینِ خدا کا درس

دنیائے آگہی پہ ہے احسانِ کربلا
انسانیت فدائے دبستانِ کربلا

سبطِ رسولؐ کی سبق آموز زندگی　　ہر دور میں ہے ضامنِ ایمان و آگہی
کچھ غم نہیں، ہزار برا چاہے مدّعی　　روشن رہے گی شمعِ عزا آندھیوں میں بھی

قائم رہے گا نشر کا انداز حشر تک
گونجے گی یا حسینؑ کی آواز حشر تک

حق سرخرو رہے گا بہ عنوانِ کربلا — باطل شکن ہے ذکرِ شہیدانِ کربلا
عرفانِ کردگار ہے عرفانِ کربلا — کرتے رہو تلاوتِ قرآنِ کربلا
اسلام کی بقا کا اسی پر مدار ہے
ذکرِ امامؑ مرضیِ پروردگار ہے

مجلس کا فرش مرکزِ ذکرِ امامؑ ہے — ذکرِ امامؑ مظہرِ حُسنِ کلام ہے
حُسنِ کلام بخششِ ربِّ انام ہے — ربِّ انام کا یہ قدیمی نظام ہے
پیغامِ حق سے گوشِ بشر آشنا رہے
عالم میں ذکرِ خیر کا اک سلسلہ رہے

گر بار بار دشتِ تواریخ کی ہو سیر — ہوتی ہے ذکرِ خیر سے تحریکِ کارِ خیر
دانائے راز ہوتے ہیں اپنوں سے مل کے غیر — مٹتا ہے مثلِ حرفِ غلط لوحِ دل سے بیر
جو کم نہیں جہاد سے وہ جہد چاہیے
ہر سانس میں وفا کا نیا عہد چاہیے

صد مرحبا جو آتے ہیں مجلس میں بار بار — آنکھوں سے نذر کرتے ہیں دُرہائے آبدار
زہراؑ کو کوئی پوچھے کہ انکا ہے کیا وقار — ان سب کا ناصرانِ حسینی میں ہے شمار
رکھتے ہیں یہ دلوں میں غمِ آلِ فاطمہؑ
ضامن ہے ان کی قدر کا رومالِ فاطمہؑ

شاعر جو آکے پڑھتے ہیں مجلس میں مرثیہ — پہنچا رہے ہیں خلق کو پیغامِ کربلا
تبلیغ کر رہے ہیں خطیبانِ باصفا — ہر ماتمی جلوس ہے لشکر حسینؑ کا
عباسِؑ نامدار کا پرچم لیے ہوئے
بڑھتا ہے شمعِ حق کو فروزاں کیے ہوئے

ذکرِ حسینؑ سرخیِ ذکرِ اللہ ہے
رحمت کی ذاکروں پہ خصوصی نگاہ ہے
یہ بھی عطائے منعمِ عالم پناہ ہے
حاصل جبینِ فکر کو یہ بارگاہ ہے

ہم گامزن ہیں مدح سرائی کی راہ میں
روح الامیں کا پر ہے ہماری کلاہ میں

ذکرِ حسینؑ کرتا ہے انسان کو غنی
سینے میں پھیل جاتی ہے چھن چھن کے روشنی
اہلِ عزا بھی کیسے ارادے کے ہیں دھنی
ماتم سے آشکار ہے اک عزمِ آہنی

اس دورِ گمرہی میں جو چرچا خدا کا ہے
یہ سارا فیض تذکرۂ کربلا کا ہے

وابستہ ذاکری سے ہے اسلام کا وقار
لیکن خلوصِ قلب پہ ہو اس کا انحصار
کسبِ معاش کا نہ یہ بن جائے کاروبار
بے لوث ذکرِ آلِ نبیؐ چاہیے شعار

نام و نمود سے نہ سیاست سے کام لو
مجلس میں صرف نذرِ عقیدت سے کام لو

حُسنِ نظر میں نقصِ بصارت نہ ہو کہیں
باطل زبان و دل کی طہارت نہ ہو کہیں
مجلس بھی اک سبیلِ امارت نہ ہو کہیں
ذکرِ حسینؑ جنسِ تجارت نہ ہو کہیں

حائل عزا میں اجرتِ تقریر ہو نہ جائے
تسخیر ماہِ مجلسِ شبیرؑ ہو نہ جائے

رسمِ عزا پہ نرغۂ اعدا ہے چار سو
ایسے میں سیم و زر کی ہے بے سود آرزو
پردے میں ذاکری کے سیاست کی گفتگو
غیروں کا ذکر بنتِ پیمبرؐ کے روبرو

ذکرِ حسینؑ چاہیے اس اعتماد سے
شرمندہ ہوں نہ حشر میں زین العبادؑ سے

ذاکر کی ہے یہ شان کہ وقفِ عزا رہے
منبر پہ مدحِ غیر سے نا آشنا رہے
دل کی زباں سے ذاکرِ آلِ عباؑ رہے
بنتِ نبیؐ کی بن کے مجسم دعا رہے
اجرت کی ہو طلب نہ تمنا ہو داد کی
پروا ہو صرف آلِ محمدؐ کے صاد کی

فیضانِ بابِ علم سے کس شے کی ہے کمی
موزوں ہے طبع، ذہن رسا، فکر ہے قوی
بخشا گیا ہے علم بھی دل بھی دماغ بھی
پھر کس لئے ہو قوتِ بازو سے ذاکری
یہ بزم نور بزمِ ثنائے امامؑ ہے
مجلس کو رزم گاہ سمجھنا حرام ہے

محتاجِ آبِ زر کی نہیں ذکرِ حق کی کشت
پابند غیر ہو نہیں سکتا وفا سرشت
دوزخ کا حکم رکھتا ہے یہ خطِ سرنوشت
"رفتن بہ پائے مردیِ ہمسایہ در بہشت"
دریا جو آپ سے نہ رواں ہو وہ خشک ہے
عطار کے بغیر جو مہکے وہ مشک ہے

یوں ذکر ہو کہ ذکر کا عنواں نظر میں ہو
عترت کی مدح لب پہ ہو قرآں نظر میں ہو
دنیا کا لطف اور نہ احساں نظر میں ہو
دل میں خلوصِ مرضیِ یزداں نظر میں ہو
زورِ بیاں کا صرف یہ انعام چاہیئے
حفظِ حسینیت کا سرانجام چاہیئے

یوں ہو یہ ذکرِ غم کہ دلوں پر اثر کرے
نکلے جو لفظ لب سے وہ سینوں میں گھر کرے
اس درد سے بیانِ شہ بحر و بر کرے
رومالِ سیدہؑ کو بھری بزم تر کرے
ہر دل ہو سوگوار شہِ مشرقین کا
ہر آنکھ دے بتولؑ کو پرسا حسینؑ کا

فصلِ عزا ہے چار طرف غم کا جوش ہے		مجلس کا ہے یہ رعب کہ دشمن خموش ہے
آہ و بکا کا شور نوائے سروش ہے		آوازِ یا حسینؑ کی فردوسِ گوش ہے

یہ بابِ ذکرِ خیر رہے باز دوستو
اب کم نہ ہو یہ گونجتی آواز دوستو

مشک و علم کا، ضیغمِ حیدرؑ کا ذکر ہو		نوکِ سناں کا، سینۂ اکبرؑ کا ذکر ہو
تیرِ ستم کا، گردنِ اصغرؑ کا ذکر ہو		تیغِ جفا کا، سجدۂ سرور کا ذکر ہو

بے وارثوں کے غم کا فسانہ نہ رک سکے
جب تک زباں میں دم ہے یہ چرچا نہ رک سکے

جورِ رسن کا، مقنع و چادر کا ذکر ہو		سبطِ نبیؐ کے جلتے ہوئے گھر کا ذکر ہو
زنجیرِ پائے عابدِؑ مضطر کا ذکر ہو		اہلِ حرم کے بگڑے مقدر کا ذکر ہو

جن کے دلوں کی آگ کبھی کم نہ ہو سکی
سب اہلِ بزم روئیں کہ زینبؑ نہ رو سکی

کتنے چمن اجڑ گئے، زینبؑ نہ رو سکی		پالے ہوئے بچھڑ گئے، زینبؑ نہ رو سکی
بھالے جگر میں گڑ گئے، زینبؑ نہ رو سکی		سینے میں زخم پڑ گئے، زینبؑ نہ رو سکی

ہر سو جو آج وائے حسینا کا شور ہے
یہ سب انھیں رکے ہوئے اشکوں کا زور ہے

وہ اشک جو فسانۂ حسرت نہ کہہ سکے		نوکِ مژہ تک آ گئے لیکن نہ بہہ سکے
پتھر بھی جس محل پہ نہ خاموش رہ سکے		اہلِ حرم کا دل تھا کہ وہ درد سہہ سکے

ہر لمحہ مرگِ تازہ تھی اور یہ خموش تھے
ہر سانس اک جنازہ تھی اور یہ خموش تھے

بچے بلک کے روتے تھے خوف و ہراس سے
چونک اُٹھتے تھے جو کوئی گذرتا تھا پاس سے
سہمے ہوئے تھے دشت میں رونے کی پیاس سے
مڑ مڑ کے دیکھتے تھے ہر اک سمت یاس سے
موجِ ہوا پیامِ مصائب سناتی تھی
کوڑوں کی سائیں سائیں کی آواز آتی تھی

اک دشتِ ہولناک تھا حدِ نگاہ تک
ملتی نہ تھی غریبوں کو جائے پناہ تک
اس پر یہ جبر تھا کہ نہ تھا اذنِ آہ تک
ممنوع تھی وفورِ الم میں کراہ تک
ماؤں سے اُن کے لال چھٹے اور وہ چپ رہیں
دُرّے پڑے خیام لٹے اور وہ چپ رہیں

اس گریۂ خموش کی تاثیر الاماں
موضوعِ گفتگو ہے وہ ناگفتہ داستاں
پہنچی ہیں کربلا کی صدائیں کہاں کہاں
سبطِ نبی کا نام ہے اب وردِ ہر زباں
کچھ اور اس سبب سے بپا شور و شین ہے
زہراؑ شریکِ بزمِ عزائے حسینؑ ہے

اے سیدہؑ حسینؑ کا پرسا قبول ہو
اے بحرِ صبر، اشکوں کا دریا قبول ہو
اہلِ عزا سے درد کا تحفہ قبول ہو
بنتِ نبیؐ غلاموں کا ہدیہ قبول ہو
بی بی ہمارا دم ہے اسی غم کے واسطے
جیتے ہیں ہم حسینؑ کے ماتم کے واسطے

اب تک وہ قتل گاہ کا نقشہ نظر میں ہے
بیکس کے گرد کثرتِ اعدا نظر میں ہے
لٹتی ہوئی غریب کی دنیا نظر میں ہے
وہ میہماں، وہ پیاس، وہ دریا نظر میں ہے
کچھ بھی سوائے تشنہ دہانی نہ مل سکا
بی بی ترے حسینؑ کو پانی نہ مل سکا

بی بی یہ کوہِ رنج و محن وامصیبتا　　　مارا گیا وہ تشنہ دہن وامصیبتا
پردیس میں ملا نہ کفن وامصیبتا　　　نیزے پہ سر تھا خاک پہ تن وامصیبتا

آغوش کا پلا ہوا مٹی پہ سو گیا
لاشہ بھی تیرے لال کا پامال ہو گیا

بی بی ہمارے اشکِ عزا کو قبول کر　　　اہلِ ولا کی نذرِ ولا کو قبول کر
ٹوٹے ہوئے دلوں کی صدا کو قبول کر　　　اس پر خلوصِ عہدِ وفا کو قبول کر

جاری رکھیں گے ذکرِ شہ مشرقین کو
ہم تا بہ حشر روئیں گے تیرے حسینؑ کو

کرار بس کہ اب نہ رہی طاقتِ رقم　　　خالق سے کر یہ عرض کہ جب تک ہے دم میں دم
ہونے نہ پائے مرثیہ خوانی کا جوش کم　　　غیر از غمِ حسینؑ نہ ہو دل میں کوئی غم

قائم فضائے دہر میں رسمِ عزا رہے
ہر دم زباں پہ تذکرۂ کربلا رہے

☆----☆----☆----☆----☆

سلام
(مشہور قصیدۂ غالبؔ کی زمین میں)

بند آنکھیں ہوتے ہی ہم پر کھلا | بندشیں ٹوٹیں قفس کا در کھلا
فقر میں جب پایۂ بوذر کھلا | ماجرائے ظرفِ اہلِ زر کھلا
شق ہوئی دیوارِ کعبہ در کھلا | طور کے جلوے کا پس منظر کھلا
لے گئے مجھ کو ملک سوئے نجف | بختِ خفتہ قبر میں سو کر کھلا
فرق شکلِ احمدؐ و حیدرؑ میں تھا | یہ شبِ ہجرت سرِ بستر کھلا
گز تولا ہو نہ جزوِ زندگی | زندگی دھوکا ہے سر تا سر کھلا
کیوں نہ تھا پہلے کسی پہلو قرار | راز یہ ہم پر نجف جا کر کھلا
لے لیا تھا ہم نے بس نامِ علیؑ | عقدہ ہم کو کیا خبر کیونکر کھلا
ایک سجدے میں تھا مضمر رازِ کن | کربلا میں جو تہہِ خنجر کھلا
میرے آنسو اور رومالِ بتولؑ | اب نہ تالِ سیلِ چشمِ تر کھلا
اب بھی روشن ہیں بہتر آیتیں | کربلا ہے مصحفِ داور کھلا
رہ گئے حیراں کراماً کاتبیں | میری خاطر جب ارم کا در کھلا

بابِ مدحت اور کھلے کرار سے
آپ کہتے ہیں کھلا بہتر کھلا

مرثیہ

خدا کے نام سے کرتا ہوں ابتدائے کلام

عنوان....... کلام

تعدادِ بند... ۷۳

کلام

خدا کے نام سے کرتا ہوں ابتدائے کلام
اُسی کے رحم و کرم سے پڑی بنائے کلام

بنا کے حُسنِ سماعت کو آشنائے کلام
اُسی نے لفظ و معانی سے کی جلائے کلام

کلام آئینہ دارِ جمالِ یزداں ہے
کلام شرحِ رموزِ کلامِ یزداں ہے

کلام دفترِ تقویم کی ہے مُہرِ یقیں
اسی سے مملکتِ زیست کو ملا آئیں

مُشاہدہ تو کرے دیدۂ حقیقت بیں
قیامِ کون و مکاں حُسنِ اتفاق نہیں

عیاں ارادۂ جاں بخش سے حیات ہوئی
صدائے کُن سے منظّم یہ کائنات ہوئی

ازل سے تذکرہ رحمٰن کا ہے وردِ زباں
کیا ہے جذبِ کلام اس نے خلعتِ قرآں

اسی نے کی ہے عناصر سے خلقتِ انساں
کیا اسی نے ودیعت بشر کو زورِ بیاں

بھلا سکیں گے نہ دشمن بھی ایسے مونس کو
ہیں اتنی نعمتیں جھٹلائیں گے وہ کس کس کو

اسی نے خلق میں قائم کیا نظامِ سخن
بشر کو دل دیا اور دل کو دی متاعِ دہن

دہن کو بخشی زباں اور زباں کو صوتِ حَسن
بنا دیا متکلم نے پھر کلام کو فن

شعورِ فکر کی دولت سے بہرہ مند ہوا
کلام سطحِ تکلم سے تب بلند ہوا

زباں سب کو ملی ہے بشر ہو یا حیواں — زہے نصیب زباں کو ملے جو تابِ بیاں
یہی کلام کی قدرت شرف کی ہے میزاں — کلام ہی کی بدولت ہے سرفراز انساں
اسی کلام سے بڑی عظمتوں پہ فائق ہے
اسی سے نوعِ بشر اشرفِ خلائق ہے

شرف کا تاج پہننا تو ہے بہت آساں — مگر یہ سہل نہیں سر بھی اس کے ہو شایاں
یہی عطائے شرف سے ہے مقصدِ یزداں — کہ اس شرف کے بنے اہل فطرتِ انساں
شعارِ نیک کا دل میں شعور پیدا ہو
عمل کی شمع سے ہستی میں نور پیدا ہو

بشر کے ظاہر و باطن کا آئینہ ہے عمل — اس آئینے پہ جو ہو جائے علم کی صیقل
رہِ عمل میں نہ رہ جائے تیرگی کا محل — زبان سے ہو فروزاں ضمیر کی مشعل
سخن بشر کی صلاحیتوں کا مظہر ہے
کمالِ علم عروسِ سخن کا زیور ہے

مگر یہ دور کہ اب علم میں ہے جہل دخیل — مجادلہ ہے کثیر اور مطالعہ ہے قلیل
بہت عجیب ہے تحصیلِ علم کی یہ سبیل — کہ بے پڑھے ہوئے ہو جائیں فارغ التحصیل
بزن بکش، یہی تعلیم کا تقاضا تھا
یہ غصبِ علم کا انداز بھی انوکھا تھا

وہ علم فرض تھی تحصیل جس کی تا بہ لحد — وہ علم جس کو ملی مرضیٔ خدا کی سند
وہ علم تزکیۂ نفس جس کا تھا مقصد — وہ علم جس کے علیؑ در تھے، شہر تھے احمدؐ
وہ دستِ غیر میں غارتگری کا آلہ ہے
بہ نامِ علم جہالت کا بول بالا ہے

وہ علم جس سے لٹیروں کے حوصلے رہے تنگ
اجارہ دار ہیں اب اس کے رہزنانِ فرنگ

دیارِ شرق نے بخشا تھا جو کمال کا رنگ
وہ یوں اڑا ہے رخِ علم سے کہ عقل ہے دنگ

بدل کے رہ گیا عنوانِ اکتسابِ علوم
غروب ہو گیا مغرب میں آفتابِ علوم

ہے اب یہ دھن کہ خدائی میں آذری کیجئے
نظامِ دہر میں ترویجِ ابتری کیجئے

ثریٰ میں رہ کے ثریا کی ہمسری کیجئے
فلک کی سیر بہ اندازِ بے پری کیجئے

زمین والے فلک پر کمند ڈالے ہیں
خدا کی شان کہ چیونٹی نے پر نکالے ہیں

وہ آسمان کی جانب ہیں مائل پرواز
سمجھ نہ پائے خود اپنے وجود کا بھی جو راز

عبث ہے چرخ نوردی پہ جہلِ علم کو ناز
نشیب اگر ہے مقدر تو پھر کہاں کا فراز

کہاں چھپیں گے کہاں قہر کا ہجوم نہیں
خدا کے قبضۂ قدرت میں کیا نجوم نہیں

ضمیر میں ہوئی شامل جو خوئے بوالہوسی
کمر خدا سے بغاوت پہ آدمی نے کسی

خدا کے ملک سے باہر بسو یہ دل میں بسی
دلیل قربِ قیامت ہے ایسی دوررسی

سمجھ رہا ہے بلندی جسے وہ پستی ہے
یہی ہے علم تو یہ علمِ ننگِ ہستی ہے

یہ علمِ چشم سے جس نے ضیا کو دور کیا
دلوں سے جذبۂ مہر و وفا کو دور کیا

بشر سے معرفتِ کبریا کو دور کیا
زبانِ خلق سے حق کی نوا کو دور کیا

ضمیر اور زباں کے جو رشتے ناتے ہیں
جدید علم کے طوفاں میں بہتے جاتے ہیں

مگر وہ علم کہ جس کے وقار میں نہیں شک
یہ امرِ رب جو رہا ہر رسول کا مسلک
کمال جس کا بنا آیۂ لک ذکرک
جو پہنچا سینہ بہ سینہ امامؑ آخر تک

وہ علم جو خطِ فاصل ہے دین و دنیا میں
وہ علم جس کی ہے تاکید حکمِ اقرا میں

وہ علم جس نے نگاہوں کو روشنی بخشی
سرِ غرور کو تہذیبِ بندگی بخشی
فضائے تیرہ کو تنویرِ آگہی بخشی
بشر کے ذہن کو دولت شعور کی بخشی

سمندِ فکر کو بخشے خرام کے آداب
زباں پہ کر دیے روشن کلام کے آداب

کلام علم کی حد میں ہے معرفت آثار
محال ذکرِ الٰہی ہے گر نہ ہو گفتار
کلامِ خیر پہ تبلیغِ شرع کا ہے مدار
زبان ہوتی ہے علم و عمل کا آلۂ کار

نشانِ عظمتِ انساں نمود و نام نہیں
بشر کے علم کی میزاں بجز کلام نہیں

سخن کے حق میں سخن آفریں سے بات چلی
وہ قل اعوذ برب الفلق کا حکمِ جلی
جو بات حق کی حمایت میں ہو وہی ہے بھلی
مگر عجیب ہے انساں کی حکمتِ عملی

یہ اجتہادِ خطابات کیا تھی کیا سمجھا
'زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھا'

زبان جس کی چلے حق کا ہم نوا ہو جائے
کلام جیسا ہو نقارۂ خدا ہو جائے
اگر خلوص سے سوچو تو فیصلہ ہو جائے
وہاں چلو کہ جہاں قفلِ عقل وا ہو جائے

لسانِ حق سے ملیں گے کلام کے آداب
کہ بزمِ غیر میں ہوتے ہیں نام کے آداب

کلام ہے ذہن و دل کے ارتباط کا نام — کلام راستیِ فکر کی صراط کا نام
کلام ذہن کی اک معتدل نشاط کا نام — کلام ہے دمِ گفتار احتیاط کا نام

گر اس میں دخل ہو جذبات کے تلاطم کا
تو فوت ہوتا ہے مقصود ہی تکلم کا

محل شناس نہ ہو گر زبان وقتِ کلام — بگاڑ دیتی ہے دم میں بنا بنایا کام
رہے سمندِ زباں یوں نہ بے نیازِ لجام — بغیر سوچے ہوئے ہر جگہ ہو مست خرام

وہ لوگ زہر کو امرت کا جام سمجھے تھے
جو سب و شتم کو حُسنِ کلام سمجھے تھے

کلام ایسی ہے میزانِ اعتبار اثر — کہ جس میں تلتے ہیں نوعِ بشر کے عیب و ہنر
زباں سکوتِ مسلسل کی گر رہے خوگر — محال ہے کہ اجاگر ہوں ذات کے جوہر

مگر یہ شرط بھی ہے مصلحت کا ہوش رہے
جہاں کلام کا موقع نہ ہو خموش رہے

نہ اتنی بات کرے بارِ گوش ہو جائے — نہ ایسا چپ ہو کہ اعلانِ حق پہ آنچ آئے
نہ اس زبانِ ادق میں کلام فرمائے — کہ سُن کے اسپ سماعت سکندری کھائے

غرض زباں کا ہر اقدام حسبِ حال رہے
سکوت اور تکلم میں اعتدال رہے

کلام صرف اک آوازِ ناتمام نہیں — زباں ذہن میں نقیبِ خیالِ خام نہیں
کلام مجمعِ الفاظ ہی کا نام نہیں — نپے تلے نہ ہوں الفاظ تو کلام نہیں

نہ برمحل ہوں تو لفظوں کی آبرو کیا ہے
اثر کرے نہ دلوں پر تو گفتگو کیا ہے

اثر کے واسطے لازم ہے دل نشیں لہجہ — کرے جو قلب کو تسخیر ہو کلام ایسا
خدا نے لہجۂ دل کش دیا جسے چاہا — مگر وہ لہجہ جسے دے کے خود بھی اپنایا

وہ دو کمان کا فصل اور وہ قریب سے بات
وہ خاص لہجہ محبوب میں حبیب سے بات

کلام قلزمِ احساس کا سفینہ ہے — بشر کے خاتمِ کردار کا نگینہ ہے
تخیلات کے اظہار کا قرینہ ہے — دماغ و دل کے لئے ارتقا کا زینہ ہے

اسی سے ذہن منور ہوا خدائی کا
کلام ہی تو ذریعہ ہے رہنمائی کا

ہر ایک دور میں پیغامِ آگہی آیا — قدم قدم پہ نظر نقشِ منجلی آیا
کچھ اس طرح سے نظامِ پیمبری آیا — کہ جب نبی کی ضرورت ہوئی نبی آیا

صدا بلند رہی امرِ حق کی وادی سے
زمانہ کوئی بھی خالی رہا نہ ہادی سے

کبھی مزاجِ ہدایت تھا لحنِ داؤدی — کبھی متاعِ طلاقت زباں کی لکنت تھی
کبھی شہادتِ عصمت تھی اور لبِ طفلی — کبھی کلام پہ لبیک سنگریزوں کی

زباں کلیم کی اتنی تو معتبر ہو جائے
جو بات کہہ دے وہ اک نقشِ کالحجر ہو جائے

پیمبروں کو خدا نے کیا بشیر و نذیر — عمل بنا کے مثالی زباں کو دی تاثیر
ہر اک نبی کو عطا کی وہ قوتِ تقریر — کہ سرکشوں کے بھی دل جس نے کر لئے تسخیر

جب اس نے ختمِ نبوت کا اہتمام کیا
تو معجزے کے لئے منتخب کلام کیا

خطیبِ منبرِ فاراں کی وہ گہر ریزی　　کلامِ حق کی بصیرت اثر خرد خیزی
کھلی رسولؐ کے لہجے کی جب دلآویزی　　زبانِ اہلِ زباں کی ہوا ہوئی تیزی

مزاج دانِ مشیت حبیب یزداں تھا
اسی کا نطق کلامِ خدا کے شایاں تھا

زہے مدینۂ علم و کلامِ ربِّ قدیر　　الٹ کے رہ گئی بوجہل کی ہر اک تدبیر
زمانہ بھول گیا زعمِ شوخیِ تحریر　　ذرا سے سورۂ کوثر کی لا سکا نہ نظیر

کجیِ فکر ادب کی امیں نہیں ہوتی
زبانِ وحی غزل کی زمیں نہیں ہوتی

کلامِ پاک کو کیا ذہنِ مبتدی سمجھے　　خطا یہ ہے اسے کافی جو اُمتی سمجھے
یہ معجزہ ہے رموز اس کے کیا کوئی سمجھے　　جو آپ صاحبِ اعجاز ہو وہی سمجھے

عروجِ فکر و فرازِ نظر کی باتیں ہیں
وہی سمجھتے ہیں یہ جن کے گھر کی باتیں ہیں

نبیؐ کے بعد نہ کھلتا کلام کا مفہوم　　اگر امینِ ہدایت نہ ہوتا بابِ علوم
نبیؐ کا قول ہے سُن لے یہ اُمتِ مرحوم　　کتاب و آلِ محمدؐ ہیں لازم و ملزوم

کتاب و آل میں دامن جو ایک کا چھوٹا
تو دین ہاتھ سے جاتا رہا خدا چھوٹا

کلامِ آلِ محمدؐ کے کیا بیاں ہوں صفات　　کنیز کرتی ہے قرآن کی زبان میں بات
خدا کی محرمِ اسرار پنجتن کی ہے ذات　　کلامِ حق کی ہے تفسیر ان کے ارشادات

زبان ہے کہ سمندر ہے خوش بیانی ہے
کلام ہے کہ ذخیرہ دُرِ معانی ہے

کہیں کلام سے تعمیلِ امرِ تبلیغ کی
کہیں کلام سے اعلانِ لحمک لحمی
کہیں کلام سے باطل کے سر پہ ضربِ قوی
کہیں کلام کا ہے شاہکار خاموشی

مجادلہ ہے تو غازی کا نام کافی ہے
مباہلہ ہے تو قصدِ کلام کافی ہے

وہ امی جو کبھی بیٹھا نہ درس گاہوں میں
وہ شہرِ علم بنا زندگی کی راہوں میں
غرورِ سحر بیاں تھا جو کج کلاہوں میں
وہ یوں اڑا کہ نہ پھر جچ سکا نگاہوں میں

زہے تجلیٔ علمِ کلام نامِ خدا
محمدِ عربی کی زباں کلامِ خدا

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے معراج کا شرف پایا
ملا خیال کو سدرہ نشیں کا ہمسایہ
اڑا تو اوجِ سرِ عرش کی خبر لایا

مگر کچھ اور ہو وسعت مرے بیاں کیلئے
مئے ولا کا مزا چاہئے زباں کیلئے

پلا پھر آج مئے حبِ پنجتن ساقی
چمک اٹھے ترے رندوں کی انجمن ساقی
ازل سے ہم کو اسی مے کی ہے لگن ساقی
جو ہے تتمۂ نعماتِ ذوالمنن ساقی

مزا زباں پہ ہے روزِ الست سے جس کا
تبرک ایسا کہ جو ماحصل ہے مجلس کا

پھر آج تجھ سے اسی جام کی ہے فرمائش
جہاں میں بزمِ عمل کی ہے جس سے زیبائش
وہ مے گریز ہے جس سے حریفِ آسائش
وہ مشغلہ نہیں توبہ کی جس میں گنجائش

وہ نامراد ہے پینے سے جو کرے توبہ
سوال توبہ اور ایسی شراب' ارے توبہ

یہی شراب ہے اقطار و اولیا کو پسند — تمام راہ روانِ رہ رضا کو پسند
رہی ہے تا بہ محمدؐ کل انبیا کو پسند — یہ کہنہ مے ہے خدا کی قسم خدا کو پسند

خلوصِ قلب سے کیوں آرزو نہ کی جائے
جہاں میں ایک یہی مے تو ہے کہ پی جائے

جنابِ حمزۂ ذی جاہ و جعفر طیارؓ — اویسؓ و قنبرؓ و سلمانؓ و بوذرؓ و عمارؓ
حبیبؓ و جونؓ و حرؓ و وہبؓ و مسلمؓ و سوارؓ — انیسؔ و مونسؔ و اوجؔ و دبیرؔ تا کرارؔ

ہر اہلِ ذوق نے یہ بادۂ شگرف پیا
یہ بات اور ہے سب نے بقدرِ ظرف پیا

سوال کیوں نہ کروں بادۂ تکمل کا — کہ شغل آج کا ہے اور آسرا کل کا
جہانِ فکر میں عالم ہے آج ہلچل کا — چلے پھر آج وہ خم جو غدیر میں چھلکا

زبانِ مدح کو سلجھا ہوا شعور ملے
ملا کے شہدِ مضامیں مے طہور ملے

ثنائے آلِ محمدؐ ہے انتخابِ سخن — انھیں کا ذکر ہے سرنامۂ کتابِ سخن
کمالِ فکر، جمالِ زباں، شبابِ سخن — سپہرِ نطق پہ گویا ہے آفتابِ سخن

خرد فزا، نظر افروز، منجلی، باقی
رہے گی تا بہ ابد جس کی روشنی باقی

ابوترابؑ کو آلِ ابوترابؑ کو دیکھ — ٹھہر سکیں جو نگاہیں تو آفتاب کو دیکھ
نظر حسینؑ پہ کر عزم کے شباب کو دیکھ — سوال تو ارنی کا سنا جواب کو دیکھ

کھنچا ہے وادیِ غربت میں طور کا منظر
نجف سے کرب و بلا تک ہے نور کا منظر

نجف ہے مطلعِ ایثار، کربلا مقطع
یہ ہے بیانِ حقیقت نہیں فقط مصرع
زمینِ کرب و بلا فیضِ عام کا منبع
مقابلے پہ بہتر کے لاکھ کا مجمع
مآلِ حرص نہ تھی دلبرِ رسول کی جنگ
سیاستِ اموی سے یہ تھی اصول کی جنگ

دیارِ کرب و بلا کے وہ تشنہ لب مہماں
خدا کی فوج کے جانباز طفل و پیر و جواں
غریب و بیکس و بے یار و بے سرو ساماں
بساطِ عزم پہ کیا کیا لگا گئے ہیں نشاں
عمل کی راہ میں ہر داغ نیل ہے تبلیغ
خدا کی شان کہ بچوں کا کھیل ہے تبلیغ

رہِ خدا میں ہر اقدام اک کھلی تبلیغ
جب اور جو بھی قدم اٹھ گیا وہی تبلیغ
بقائے دیں کے لئے ایسی دائمی تبلیغ
کہ زندگی بھی ہے تبلیغ موت بھی تبلیغ
کہیں یہ آن ہو کہ صبح کی اذاں تبلیغ
کہیں یہ شان کہ کر جائے بے زباں تبلیغ

پسِ فنا بھی ہو جن کی زباں پہ حق کا پیام
حیات کیوں نہ ہو ان کی حیات کا انجام
عجیب شان ہے تبلیغ کی عجیب مقام
سناں کی نوک، شہیدوں کے سر، خدا کا کلام
صفِ جدال سے دربارِ عام تک تبلیغ
زباں پہ پہرے ہیں پھر بھی ہے شام تک تبلیغ

سفر میں قافلہ جاتا ہے سوگواروں کا
جگر کا درد اثاثہ ہے غم کے ماروں کا
یہ کہہ رہا ہے دلِ زار بے سہاروں کا
کہ وقت اب نہیں تقریر میں اشاروں کا
یہ نوعِ خاص اب اعلانِ عام کا ہے محل
حسامِ لب سے جہادِ کلام کا ہے محل

جہاں کو جوہرِ تیغِ زباں دکھانا ہے　　نقاب چہرۂ ابہام سے اٹھانا ہے
پیام سبطِ نبیؐ خلق کو سنانا ہے　　یزیدیت کے ہوائی محل کو ڈھانا ہے

فنا سیاست مردود کر کے لوٹیں گے
شکوہِ شام کو نابود کر کے لوٹیں گے

اُدھر سپاہ میں بجتی ہے فتح کی نوبت　　اِدھر سناں پہ صدائے تلاوت و قرأت
لئے ہے بار امانت رسولؐ کی عترت　　نہیں حسینؑ مگر ساتھ ہے حسینیت

ریا و مکر کے پردے اٹھانے جاتے ہیں
جہاں کو خوابِ گراں سے جگانے جاتے ہیں

عجیب شان سواری کی ہے عجب منظر　　وہ لو وہ دھوپ وہ گرمی وہ دوپہر کا سفر
مریض امامؑ کی گردن میں طوق کا لنگر　　حرم رسولؐ کے وہ بے کجاوہ اونٹوں پر

یہی خیال کہ بس حق کی گفتگو رہ جائے
جہاں میں خونِ شہیداں کی آبرو رہ جائے

سفر میں جھیل رہے ہیں خوشی سے زحمتِ راہ　　ہیں خود کو بھولے ہوئے غرض سے مگر آگاہ
نگاہ سوئے سناں دل میں صدمہ جانکاہ　　زباں پہ اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ

جہاں کو اصل حقیقت بتانے جاتے ہیں
یزیدیت کے پرخچے اڑاتے جاتے ہیں

جہاں پہنچتے ہیں پیغامِ حق سناتے ہیں　　حسینیت کو زلالِ بقا پلاتے ہیں
عوام یوں تو تماشا سمجھ کے آتے ہیں　　مگر نگاہ کے پردے سب اٹھتے جاتے ہیں

طلوعِ فکر سے شورش نہ ہو یہی ڈر ہے
یزید شوم کو اور ننگِ شام دو بھر ہے

یزیدیت کا کچھ اس طرح راز فاش کیا — دلوں میں ہو گئے سو طرح کے گماں پیدا
مآلِ کار کہ یہ قافلہ اسیروں کا — نویدِ صبح لیے ارضِ شام تک پہنچا

یہاں زباں کو ملے گی خدا سے دادِ کلام
یہیں پہ ہوگا بپا آخری جہادِ کلام

ہوئے جو داخلِ بازارِ شام اہلِ حرم — ہجومِ عام میں مشکل سے اٹھ رہے تھے قدم
تمام شہر پہ چھایا تھا عید کا عالم — تھے تہنیت کے کلام اور معانقے باہم

جو دیکھا اس غلط اندازِ شادمانی کو
جلال آ گیا شیرِ خدا کی بیٹی کو

کیا یہ نعرہ کہ اے ساکنانِ شام سنو — بغور سوچو گر انصاف دل میں باقی ہو
شہیدِ ظلم سے تم نے کیا ہے یہ کس کو — حسینؑ کس کے نواسے تھے ہاں جواب تو دو

یہ کس کے خون سے ہاتھوں کو تم نے لال کیا
بتاؤ باغ تھا کس کا جو پائمال کیا

سنو سنو کہ محمدؐ کا تھا وہ نورِ نظر — جسے رسولؐ سمجھتے ہو اس کا لختِ جگر
یہ جس گلے پہ چلایا ہے ظلم کا خنجر — وہی گلا ہے جو تھا بوسہ گاہِ پیغمبرؐ

بڑے ریاض سے جنتِ نبیؐ نے پالا تھا
ستمگرو وہ محمدؐ کے دل کا ٹکڑا تھا

بتاؤ کس کی بہن کو کیا ہے تم نے اسیر — حرم یہ کس کے ہیں ہوتی ہے جن کی یوں تشہیر
غضب ہے دیکھ کے اس کو نہیں کبیر و صغیر — کہ جس کا سر جو کھلے ڈوب جائے مہرِ منیر

وہ جس کے نام کا سب احترام کرتے ہیں
وہ جس کی ماں کو پیمبر سلام کرتے ہیں

فدائے زورِ بیانِ شریکِ کارِ امام — کہ آپ ہو گئے مجبور سوچنے پہ عوام
جو تیغ سے نہیں ممکن زباں وہ کر گئی کام — الٰہی! کتنی موثر تھی ایک ضربِ کلام

حسینیت کی صدا گونج اٹھی عالم میں
یزیدیت کی رگیں کٹ کے رہ گئیں دم میں

پسِ حسینؑ بھی جاری تھی خیر و شر کی جدال — امامؑ کا سرِ دربار وہ جہادِ مقال
نظر میں پھر گیا ظالم کی جب خود اپنا زوال — زراہِ مکر بنایا خدا کے نام کو ڈھال

کلام کی جو لگی ضرب خبثِ باطن کو
شقی نے حکمِ اذاں دے دیا مؤذن کو

بلند ہو گئی تا وقت اذان کی آواز — خموش ہو گئے عابدؑ زپاسِ عجز و نیاز
خدا کا نام سنا باکمالِ سوز و گداز — ادائے شکر کی خاطر ہلا لبِ اعجاز

نبیؐ کا نام جب آیا تو دل کو تھام لیا
کہا یزید سے سُن کس کے جد کا نام لیا

کلامِ آلِ نبیؐ کا اثر معاذ اللہ — جھکی تو پھر نہ اُٹھی بانیانِ شر کی نگاہ
دکھا دی عترتِ خیرُالبشر نے خیر کی راہ — ہیں آج تک درو دیوارِ شام اس کے گواہ

کہ قیدِ ظلم بھی آواز کو دبا نہ سکی
جفا کلام کی تاثیر کو چھپا نہ سکی

اب اس کلام کی تاثیر نے فضا بدلی — ہوائے تند سے باطل کی سانس ٹوٹ گئی
رہائی پا کے مدینے میں پہنچے آلِ نبیؐ — فضائیں کانپ اُٹھیں پھر صدا سے عابدؑ کی

سُنا مدینے نے بیمارِ غم کے نالوں کو
ہلا دیا تھا کبھی جس نے شام والوں کو

خدا کا شکر کہ اُس نے ہمیں شرف بخشا
کہ انتہائے مصائب سے امتحان لیا
جفا و جبر سے اسلام میں پڑا رخنا
ہوئے شہید حسینؑ اور اُن کے سب رفقا
رسولؐ پاک کے اہلِ حرم اسیر ہوئے
جلے خیام، لٹا کنبہ، ہم اسیر ہوئے

سرِ حسینؑ کی نیزے پہ کی گئی تشہیر
یہ ابتلا وہ ہے جس کی نہیں جہاں میں نظیر
میں تم سے پوچھ رہا ہوں کبیر ہو کہ صغیر
اب اسکے بعد بھی ممکن ہے عیش کی تدبیر
دل و جگر میں جب اک آگ سی بھڑکتی ہے
ہے کس کی آنکھ جو اشکوں کو روک سکتی ہے

یہ ایسا قصۂ غم ہے کہ آسماں روئے
تڑپ کے موج اٹھی، بحرِ بیکراں روئے
زمین روئی، نہالانِ گلستاں روئے
گرا وہ رکن کہ ارکانِ دو جہاں روئے
تمام اہلِ نظر ارض تا فلک روئے
زمیں پہ روئے بشر، عرش پر ملک روئے

غمِ حسینؑ میں ٹکڑے نہیں ہے کس کا جگر
ہے کون سُن کے جو برداشت کر سکے یہ خبر
اسیر کر کے پھرایا گیا ہمیں در در
ہر ایک شہر و بیاباں تھا خندہ زن ہم پر
کچھ اس طرح ہدفِ طعنۂ عوام تھے ہم
کہ جیسے کافر و مشرک تھے یا غلام تھے ہم

غلط روی پہ ہمارا قدم کبھی نہ اٹھا
پڑا نہ دیں میں ہمارے سبب کبھی رخنا
ہوا وہ ظلم کسی پر جو آج تک نہ ہوا
جفا بھی ہوتی روا ہم پہ گر بجائے ولا
ہزار امتِ جد مائلِ ستم ہوتی
قسم خدا کی وہ ایذا بھی اس سے کم ہوتی

ابھی فضا میں رچا تھا یہ گریۂ معصوم لرز رہے تھے درو بام بڑھ رہا تھا ہجوم
کہ دفعتاً اٹھی سرور کی خواہرِ مغموم اسیرِ درد و محن مبتلائے غم کلثومؑ

نگاہ کی سوئے قبرِ نبیؐ سلام کیا
پھر اس کے بعد مدینہ سے یوں کلام کیا

مرے عزیز وطن' اے دیارِ پیغمبرؐ گیا تھا چھوڑ کے کل تجھ کو اک بھرا ہوا گھر
لے لٹا کے ہم آئے ہیں تیری چوکھٹ پر ہمارے جد کے مدینے ہمیں قبول نہ کر

بڑی عظیم امانت کو کھو کے آئے ہیں
ترے نبیؐ کے نواسے کو رو کے آئے ہیں

زمانہ پھر گیا نورِ نگاہِ زہراؑ سے حسینؑ قتل ہوئے تین روز کے پیاسے
رہا نہ کوئی بھی محفوظ جورِ اعدا سے "نہ قاسمؑ نہ علی اکبرؑ نہ عباسؑ"

نصیب میں جو الم تھے وہ پا گئی کلثومؑ
رسولؐ پاک سے کہہ دے کہ آ گئی کلثومؑ

قلم کو روک لے کرار اب کہ دل ہے فگار دعا کو ہاتھ اٹھا پیشِ ایزدِ غفار
عطا ہو غیب سے کچھ اور قدرتِ گفتار رہے ہمیشہ مرا مدح گستروں میں شمار

ملے وقار زباں کو بڑھے جلائے کلام
کہ صرف ذکر سے باقی کے ہے بقائے کلام

☆----☆----☆----☆----☆

قطعات

بندے کی خدا سے جو ملاقات ہوئی ہے
جس رات کی خواہش تھی وہی رات ہوئی ہے
وہ بات جو اللہ کو کرنی تھی نبیؐ سے
لہجے میں یداللہ کے وہ بات ہوئی ہے

....

ہے مدحتِ زہراؑ میں مصروف زباں میری
ہو فکر مجھے کیوں کر پھر عرصۂ محشر کی
ہم اس درِ زہراؑ کے دریوزہ گراں ٹھہرے
تو قیر بڑھی جس سے جبریل سے نوکر کی

....

ہر ایک آنکھ کا سرمہ ہے خاکِ پائے حسینؑ
ہر ایک غم کا مداوا ہے لب پہ ہائے حسینؑ
فرازِ طورِ شہادت پہ سر کٹائے ہوئے
کوئی نظر نہیں آتا ہمیں، سوائے حسینؑ

مرثیہ

رواں ہے جادۂ ہستی میں کاروانِ حیات

عنوان........ حیات

تعدادِ بند...۵۶

حیات

رواں ہے جادۂ ہستی میں کاروانِ حیات
بشر کو مرگِ مسلسل پہ ہے گمانِ حیات
عجب فسانۂ عبرت ہے داستانِ حیات
کہ زندگی میں بھی ملتا نہیں نشانِ حیات

سکون شب کیلئے ہے نہ چین دن کیلئے
ترس رہے ہیں بشر نفس مطمئن کیلئے

وجود ان کا ہے اک ساز جس میں زیر نہ بم
نفس کی آمد و شد ہے کہ نزع کا عالم
حیات و مرگ کے آثار ان میں ہیں توام
یہ جی رہے ہیں مگر ٹوٹتا ہے دم ہمہ دم

دلوں سے محو سب اقدارِ زندگانی ہیں
یہ اس جہان میں رہ کر بھی آنجہانی ہیں

زمانہ تزکیۂ نفس کا نہیں قائل
اسیر حرص و ہوا و ہوس بشر کا ہے دل
شعارِ بوالہوسی کارِ خیر میں ہے مخل
یہی ہے دھن کہ ہو لیلائے زر پسِ محمل

رہِ عمل میں ہے فکر و نگاہ بازاری
دکانِ زیست ہے وقفِ سیاہ بازاری

مئے تماشیِ مغرب سے ہے بشر مخمور
کہ منشیات سے کرتا ہے کسب عقل و شعور
بڑھائی زلف کہ ہو امتیازِ جنس بھی دور
فرشتہ بن نہیں سکتا تو بن رہا ہے حور

فریب کھا کے جب اس نے قدم بڑھایا ہے
معاشرے میں نئے انقلاب لایا ہے

خطا سے بس کہ مرکب ہے آدمی کا مزاج — سمجھ رہا ہے جہالت کو علم کی معراج
بشر کے سر پہ کمالِ خودی کا دیکھ کے تاج — بڑے ریاض سے ابلیس دے رہا ہے خراج
امید جس کی نہ تھی، آج وہ محل آیا
ازل میں بیج جو بویا تھا اُس میں پھل آیا

فضا پہ چھائے ہوئے ہیں نفاق کے بادل — خدا پرست کا دل ہے مقامِ لات و ہبل
زباں پہ دعوئ الفت، چھری ہے زیرِ بغل — خلوص، خلق، کرم، رکھ رکھاؤ سب مہمل
لبوں پہ صلح پسندی کی کوئی بات نہیں
بزن بکش کے سوا مقصدِ حیات نہیں

ہیں جہدِ شر میں ذکور واناث دوش بدوش — یہ سن رہے ہیں کبھی کچھ بجز نوائے سروش
مطالبات میں حوا کی بیٹیوں کا یہ جوش — نہ دین پر ہے عقیدہ نہ عافیت کا ہے ہوش
ہر ایسا حق جو مناسب تھا حق نے بخشا ہے
بتاؤ سالِ خواتین کا محل کیا ہے

بشر نے کرلیا خود اپنی ہی انا کو فنا — سمجھ رہا ہے یہ باطل کو حق، جفا کو وفا
کیا ہے زیست سے یوں طاعتِ خدا کو جدا — کہ دے رہا ہے ہر اقدامِ ناروا کو ہوا
غرض اسے نہ یقیں سے نہ اعتماد سے ہے
لگاؤ ہے تو فقط فتنہ و فساد سے ہے

وہ کہنہ درسِ اخوت کسے ہو آج قبول — کہ ترکِ خیرِ عمل آدمی کا ہے معمول
جو بات عقل کو تسلیم ہو وہ نامعقول — عجب ہے آج کی انسانیت کا اصلِ اصول
بڑھا چڑھا کے تم اپنے حقوق جتلا دو
کسی کا تم پہ ہو جائز بھی حق تو ٹھکرا دو

نہیں ہے سینۂ انساں میں علم ہی کوئی شے ۔۔۔ رہِ حیات اندھیرے میں کر رہا ہے طے
مگن ہے عشقِ ابوجہل کی پیئے ہوئے مے ۔۔۔ اگر غرض ہے تو احراقِ درس گاہ سے ہے

درندگی ہے نمودار چشم و ابرو سے
یہ کسبِ علم بھی کرتا ہے زورِ بازو سے

کہاں سے ذہن میں روشن ہو علم کی قندیل ۔۔۔ مجادلہ ہے کثیر اور مطالعہ ہے قلیل
بہت عجیب ہے تحصیلِ علم کی یہ سبیل ۔۔۔ کہ بے پڑھے ہوئے ہو جائیں فارغ التحصیل

نہیں یہ تاب کہ خود بہرِ قطعِ راہ چلے
یہ چاہتا ہے کہ پیاسے کی سمت چاہ چلے

وہ علم فرض تھی تحصیل جس کی تا بہ لحد ۔۔۔ وہ علم جس کو ملی مرضیٔ خدا کی سند
وہ علم تزکیۂ نفس جس کا تھا مقصد ۔۔۔ وہ علم جس کے علیؓ در تھے، شہر تھے احمدؐ

وہ عہدِ نو کے جوانوں کو بارِ خاطر ہے
ضمیر بیچ دیا ہے، زبان حاضر ہے

کتابِ حق پہ ہے اہلِ کتاب کا یہ ستم ۔۔۔ مقام اس کا ہے جزدان، مصرف اسکا قسم
گراں ہیں گوش پہ آیاتِ مصحفِ محکم ۔۔۔ بہت شدید الف لام میم کا ہے الم

کوئی شغف نہیں تعلیمِ ربِ یکتا سے
دلوں پہ چوٹ سی لگتی ہے حکمِ اقرا سے

یہ باپ کا ہے تقاضا پڑھے لکھے بیٹا ۔۔۔ پسند آئی نہ بیٹے کو باپ کی یہ ادا
کمال دیدہ دلیری سے دے دیا فتویٰ ۔۔۔ پدر پسر کے مسائل سمجھ نہیں سکتا

یہ جانے جاگ رہا ہے ابھی کہ خواب میں ہے
یہ گرگ شدتِ باراں سے اضطراب میں ہے

پسر کی سعیِ مسلسل فروغِ جور و جفا   پدر کا حکم کہ اپناؤ خوئے مہر و وفا
اُدھر ہے کروفا اس طرف ہے صدق و صفا   خلف سلف سے اسی بات پر ہوا ہے خفا
قریب کیا ہو کہ ہے فکر الگ‘ نگاہ الگ
پدر کی راہ الگ ہے پسر کی راہ الگ

ملیں بھی کیسے کہ ناسازگار ہیں حالات   یہ ہو کے رہ گئی ہے بعدِ مشرقین کی بات
نظر میں نورِ نظر کی بسے ہیں لات و منات   جہاں میں قبلہ و کعبہ کی کچھ نہیں اوقات
اب اس روش پہ یہ نسل اتفاق کرتی ہے
کہ اپنے باپ کو اولاد عاق کرتی ہے

کچھ اس طرح سے اٹھا احترام ماضی کا   کہ رنگِ عظمتِ اجداد پڑ گیا پھیکا
اصولِ وضع ہوا جب سے ”بُعدِ نسلی“ کا   نشانِ علم بنا ہے کلنک کا ٹیکا
ضمیر اور زباں کے جو رشتے ناتے ہیں
جدید علم کے طوفاں میں بہتے جاتے ہیں

خدا کو بھول گیا ہے خلا نورد بشر   بڑا غرور ہے تسخیرِ ماہ و زُہرہ پر
ہیں اک نظام کے تابع نجوم و شمس و قمر   ذرا بدل کے دکھائیں تو اس کو اہلِ ہنر
فرازِ عرش کا طے ہو سفر تو ہم جانیں
یہ کردیں چاند کے ٹکڑے اگر تو ہم جانیں

اگر یہ کر نہیں سکتا حکیمِ با تدبیر   وہ علم اہلِ نظر کی نگاہ میں ہے حقیر
کہ جس کے دم سے فروزاں نہ ہو چراغِ ضمیر   رہے گی بازیِ طفلاں سے کم یہ سعیِ حقیر
سمجھ رہا ہے بلندی جسے وہ پستی ہے
یہی ہے علم‘ تو یہ علم ننگِ ہستی ہے

یہ زعمِ علم، یہ اُلٹی ترقیوں کا غرور — دلیلِ عقل نہیں ہے، دماغ کا ہے فتور
سنو بغور تم اے خوگرانِ فسق و فجور — وہ منتقم بھی ہے، سمجھے ہو جس کو صرف غفور

ہمیشہ خیر کا ضامن یہی اصول ہوا
گناہ حد سے بڑھا، قہر کا نزول ہوا

ازل سے ہے یہ اٹل انتظام قدرت کا — جہاں اٹھا کوئی فرعون، آ گیا موسیٰؑ
بلند جب سرِ ساحل ہوئی صدائے وفا — ادب سے پیکرِ لبیک بن گیا دریا

برائے حق سپر آثار ہو گئیں موجیں
اُبھر کے آہنی دیوار ہو گئیں موجیں

خدا سے جب ہوئے رشتے بشر کے نامربوط — دلوں سے ہونے لگے محو آگہی کے خطوط
تو ایسے وقت میں رحمت کی رے ہوئی مقنوط — سما گئی تہہِ گیتی تمام امتِ لوطؑ

رہے مکیں نہ مکاں کا رہا نشاں باقی
جہاں میں رہ گئی عبرت کی داستاں باقی

جلی ہے صفحۂ تاریخ پر زمانۂ نوحؑ — وہ دور جب بشریت کی روح تھی مجروح
ہزار توبہ شکن تھے، نہ تھا تو ایک نصوح — کبھی نہ بھولے گی دنیا یہ قصۂ مشروح

نزولِ قہرِ خدا غرب تا بہ شرق ہوا
وہ موج آئی کہ عالم تمام غرق ہوا

ہر ایک دور کی تاریخ سے یہ ہے واضح — ہمیشہ نرغۂ باطل میں حق رہا فاتح
وہ منہ کی کھا گئے ابلیس جن کا تھا ناصح — بلائے عام بنی مرگِ ناقۂ صالحؑ

جو منکرانِ خدا تھے وہ دم میں خاک ہوئے
صدائے صور وہ گونجی کہ سب ہلاک ہوئے

بڑے غرور سے شعلے بڑھے تھے سوئے خلیل ہوئی نہ مقصدِ نمرود کی مگر تکمیل
تنور میں ہوئی گلزار عشق کی تشکیل صدا یہ آئی کہ اے منکرِ خدائے جلیل

ترے نصیب کے تارے چمک نہیں سکتے
ہوا کے شر سے یہ شعلے بھڑک نہیں سکتے

بشر کا بس نہ چلا پیشِ مرضیِ معبود تمام داؤ خباثت کے ہو گئے بے سود
شرابِ سطوتِ شاہی بھی نکلی زہر آلود تھے جو اشکِ ہزیمت تو دیکھ لے نمرود

مقام ایسے بھی راہِ وفا میں ملتے ہیں
دہکتی آگ سے خلعت کے پھول کھلتے ہیں

بڑھا سوئے مہ کنعاں جو ابرِ ظلم و جفا غریقِ چاہ کئے بھائیوں نے مل کے کیا
مگر کچھ اور تھا پروردگار کا منشا یہ معجزہ بھی زلیخائے وقت نے دیکھا

کہ چاک پڑتے رہے دامنِ اخوت میں
کنواں بدل گیا گہوارۂ نبوت میں

دلوں پہ نقش ہے اب تک صلیب کا منظر وہ ایک جان کے در پے ہزار بانیِ شر
بچا لیا اُسے تائید رب نے بن کے سپر بہ حفظ جاں ہے وہ اب تک کسی کا راہ نگر

مسیح کشتۂ جور و جفا نہیں ہوتا
حیات بخشنے والا فنا نہیں ہوتا

کمال پر شبِ ہجرت تھی قدرتِ داور حصارِ خیر کو سر کر سکی نہ قوتِ شر
یہ انتظام ہوا بہرِ حفظِ پیغمبرؐ کہ پردے پڑ گئے ایمائے حق سے آنکھوں پر

وفورِ نور کو چشمِ بشر نہ دیکھ سکی
نبیؐ ہجوم سے گزرے، نظر نہ دیکھ سکی

غرض یہی قصصِ انبیاؑ سے راز کھلا　　بشر ہزار ہو منکر، خدا ہے پھر بھی خدا
اگر سمجھ نہیں سکتی یہ آج کی دنیا　　تو کیا کہے کوئی اس ضد کے حق میں اس کے سوا

الٹ کے رہ گیا اندازِ اکتسابِ علوم
غروب ہو گیا مغرب میں آفتابِ علوم

وہ تیرگی کی فضا کہ کور چشم ہے دنگ　　ہر اک مفکرِ تہذیبِ نو کی ہے یہ امنگ
کہ ذہنِ شرق پہ چڑھ جائے سطرِ غرب کا رنگ　　حسینیوں سے ہے بیعت طلب یزیدِ فرنگ

دیارِ زیست میں کرب و بلا کی صورت ہے
کسی حسینؑ کی اس عہد میں ضرورت ہے

ہزار بو لہبی ہو شعارِ عصرِ جدید　　مقابلے پہ اگر ہیں تو ہوں ہزار یزید
حجابِ غیب میں ہے ثانیِ حسینؑ شہید　　کمالِ جور و ستم ہے ظہور کی تمہید

قریب ہے وہ زمانہ کہ منتظر آئے
بہارِ گلشنِ ہستی میں پھر نظر آئے

خوشا وہ وقت کہ اسلام پر بہار آئے　　پھر اپنے دین پہ دنیا کو اعتبار آئے
نویدِ دید پسِ طولِ انتظار آئے　　جہاں میں سبطِ پیمبر کا ورثہ دار آئے

خزاں کے بخت میں لکھی ہوئی تباہی ہے
بہار آئے گی، یہ وعدۂ الٰہی ہے

یہ سن رکھیں چمنِ حق کے خانہ بر انداز　　بہار آئے گی اور آئے گی بصد اعزاز
بلند ہو گی دلوں سے اذان کی آواز　　خدا کے سامنے جھک جائے گی جبینِ نیاز

رہے گی تاب نہ اذہانِ کفر پرور میں
بس اک تصورِ حق ہو گا ملکِ داور میں

پلک جھپکتے ہی نابود ہوں گے فسق و فجور — تمام عالم شر ہوگا خیر سے معمور

شبِ سیاہ سے ایسی سحر کرے گی ظہور — کہ پھر نہ جائے گا ظلمت سرائے دہر سے نور

فنا یہ علم کا معکوس ارتقا ہوگا

کوئی نشاں نہ فرامینِ غرب کا ہوگا

ابھی ہے زد پہ تلاطم کے کشتیِ ایماں — مگر امینِ تحفظ ہے مرضیِ یزداں

بہت دنوں نہ رہے گی یہ شورشِ طوفاں — فضا کا جائزہ لیتا ہے نوحِؑ عصرِ رواں

زبانِ حال سے کہتا ہے شور موجوں کا

کہ فخرِ نوحؑ سے ٹوٹے گا زور موجوں کا

بڑے سکون سے ہے فرشِ راہ چشمِ یقیں — شبِ سیاہ کی سیلِ بلا ہو خوف نہیں

ہے نظمِ ارض و سما منتظر کے زیرِ نگیں — اگر وہ چاہے تو پلٹے افق سے مہرِ مبیں

یہ تیرگی کی فضا امرِ اتفاقی ہے

سحر قریب ہے تھوڑی سی رات باقی ہے

قریب ہے نظر آئے ستارۂ سحری — خدا کے گھر سے ہو نورِ خدا کی جلوہ گری

یقین، صرف یقیں ہے کمالِ دیدہ وری — کچھ اور دن کی ہے مہماں بشر کی خیرہ سری

نشاں رہے گا نہ ظلماتِ کفر و بدعت کا

طلوع ہونے کو ہے آفتاب امامت کا

وہ آفتابِ امامت جو غیب میں ہے ابھی — جو ہے ضمانتِ احیائے دینِ مصطفویؐ

ظہور جس کا ہے ایماں کی نشاۃِ ثانی — اٹھے گا کعبے سے جب لیکے ذوالفقارِ علیؑ

جفا و جور کا پنجہ مروڑ ڈالے گا

خدا بنے ہیں جو بت سب کو توڑ ڈالے گا

وہ شیر جس کی رگوں میں ہے بت شکن کا لہو
ہے انتقام بہ کف جس کی جنبشِ ابرو
سپرد جس کے ہے زہراؑ کے چاکِ دل کا رفو
جو کر رہا ہے خود اپنے ہی خونِ دل سے وضو
وہ کب تک آئے گا یہ علمِ کردگار میں ہے
ابھی تو حکمِ مشیت کے انتظار میں ہے

مگر نہ آئے گا جب تک وہ لمحۂ موعود
بھڑک نہ پائیں گے شعلے جو دل میں ہیں موجود
رہے گی راہِ سکوں اہلِ درد پر مسدود
نہ جانے کب نظر آئے وہ منزلِ مقصود
جہاں جوابِ صدائے حسینؑ آئے گا
نہ جانے کب دلِ زہراؑ کو چین آئے گا

اس انتظار میں مومن بھی ہیں، امام بھی ہے
دلوں میں یاد بھی، ہونٹوں پہ اُن کا نام بھی ہے
لبوں پہ تذکرۂ شاہِ تشنہ کام بھی ہے
تصورات میں وہ دن بھی ہے وہ شام بھی ہے
وہ دن کہ جس میں غریبوں پہ آفتیں ٹوٹیں
وہ شام جس میں حرم پر قیامتیں ٹوٹیں

ہمیں یقیں ہے وہ ساعت ضرور آئے گی
ابھی نظر سے ہو کتنی ہی دور، آئے گی
لئے سکونِ دلِ ناصبور آئے گی
بڑے جلال سے صبحِ ظہور آئے گی
وہ صبح ڈھونڈتی ہے جس کو شامِ کرب و بلا
پکارتا ہے جسے انتقامِ کرب و بلا

وہ شام کرب کی، آفت کی، اضطراب کی شام
نبیؐ کی آل پہ وہ ظلمِ بے حساب کی شام
وہ بے کسی کی، بلاؤں کی، پیچ و تاب کی شام
وہ شام زینبؑ و سجادؑ کی، ربابؑ کی شام
وہ ریگِ دشت پہ میت شہِ مدینہ کی
پدر کی یاد میں وہ بے کلی سکینہؑ کی

وہ بے کسی، وہ اندھیرا، وہ شب کا سناٹا　　وہ بھوک پیاس، وہ لاوارثی، وہ آہ و بکا
جلے خیام سے اٹھتی ہوئی وہ گرم ہوا　　وہ دور ریت پہ اک اک عزیز کا لاشہ
وہ دل کا درد، وہ سرمایہ سوگواروں کا
وہ اک مریض سہارا جو بے سہاروں کا

حرم پہ وہ غم و حرماں کا بے پناہ ہجوم　　کہ جس کی یاد سے مضطر ہے ہر دلِ مغموم
ہے انتظار کہ آئے جہاں میں وہ معصوم　　پکارتا ہے جسے خونِ سیدِ مظلومؑ
جب انتقام کی زد پر ہر اک شقی ہوگا
حرم کے سوگ بڑھانے کا دن وہی ہوگا

خدا کرے کہ ہماری حیات میں ہو ظہور　　نصیب ہم کو بھی ہو جائے دیدِ جلوۂ نور
جو آج خوگرِ غم پر ہے رنج و غم کا وفور　　وہ اُن کے سامنے ہو جائے یک قلم کافور
شرف ملے جو امامِ زماں کی نصرت کا
تو ہم یہ سمجھیں صلہ مل گیا مودت کا

حضورِ شہ میں وہ اہلِ عزا کے دل کی خوشی　　جب آئے گا سرِ دربار ایک ایک شقی
کسی بھی بانیٔ شر کی نہ ہوگی جاں بخشی　　جواب سب سے کرے گا طلب نبی کا وصی
نہ کام آئے گا حیلہ کوئی لعینوں کا
"لہو پکارے گا قاتل کی آستینوں کا"

وہ دن نہ ہوگا جو تفہیم و انتباہ کا دن　　وہ دن جو ہوگا فقط پرسشِ گناہ کا دن
وہ روسیاہوں کی تعزیرِ بے پناہ کا دن　　وہ مجرموں کی نگاہوں میں ایک ماہ کا دن
محل نہ ہوگا کنایوں کا یا اشاروں کا
ابھر کے آئے گا کردار بدشعاروں کا

یہ پوچھا جائے گا کیا کیا کیا تھا تم نے کہو　　یہ لیت و لعل کا موقع نہیں، زباں کھولو
شہید ظلم سے تم نے کیا تھا کس کس کو　　حسینؑ کس کے نواسے تھے ہاں جواب تو دو

یہ کس کے خون سے ہاتھوں کو تم نے لال کیا
بتاؤ باغ تھا کس کا جو پائمال کیا

خبر نہ تھی کہ محمدؐ کا تھا وہ نورِ نظر؟　　جسے رسولؐ سمجھتے تھے اُس کا لختِ جگر
گلے پہ کس کے چلایا تھا ظلم کا خنجر　　بتاؤ تھا کہ نہ تھا بوسہ گاہِ پیغمبرؐ

بڑے ریاض سے زہراؑ نے اُس کو پالا تھا
ستمگرو! وہ محمدؐ کے دل کا ٹکڑا تھا

بتاؤ تیر سے کس کے گلے کو چھیدا تھا　　بیان تو کرو معصوم کا قصور تھا کیا
وہ چھ مہینے کا بے شیر و بے زباں بچہ　　چلایا تھا کہو کس دل سے اُس پہ تیرِ جفا

وہ پی کے جامِ شہادت جو مسکرایا تھا
بتاؤ ایک کو بھی تم میں رحم آیا تھا

مٹائی تم نے نبیؐ کے شباب کی تصویر　　بجھائی شمع وہ جس میں حسنؑ کی تھی تنویر
سر اُس کا کاٹا جو تھا ثانیِ جنابِ امیرؑ　　لڑا تھا سنگ دلو کس سے اصغرِؑ بے شیر

اُسے بھی تیرِ ستم کا ہدف بنا کے رہے
نبیؐ کی قبر، علیؑ کا جگر ہلا کے رہے

بتاؤ لوٹا تھا کس حق سے اہلِ بیتؑ کا گھر　　یہ کس قصور پہ بچی سے چھینے تھے گوہر
بتاؤ کھینچ لیا کیوں مریض کا بستر　　جواب دو کہ کیا کیوں حرم کو بے چادر

قدم قدم پہ نئے ظلم ڈھا دیے تم نے
غریب رانڈوں کے خیمے جلا دیے تم نے

بتاؤ کس کی بہن کو کیا تھا تم نے اسیر
تھے کس کے اہلِ حرم جن کی تم نے کی تشہیر

غضب ہے دیکھ کے اسکو نہیں صغیر و کبیر
کہ جس کا سر جو کھلے ڈوب جائے مہرِ منیر

وہ جس کے نام کا سب احترام کرتے تھے
وہ جس کی ماں کو پیمبرؐ سلام کرتے تھے

خموش اب کہ ہے کرار دل پہ غم کا وفور
بسا ہے چشمِ تصور میں نورِ حق کا ظہور

میں دیکھتا ہوں کہ زہراؑ ہیں کس قدر مسرور
بس ایک عرض یہ کرنا ہے منتظر کے حضور

سزا جو پا چکے اک اک شہید کا قاتل
امامؑ مجھ کو بتا دیں یزید کا قاتل

☆----☆----☆----☆----☆

قطعات ورباعیات

جز اہلِ بیتؑ ہم ہیں ہر اک آستاں سے دور
اہلِ یقیں ہیں رہتے ہیں وہم وگماں سے دور
پایا علیؑ کا در تو ملا مصطفےٰؐ کا در
کرّار اب خدا بھی نہیں دو کماں سے دور

سحر و شام سے نے گردشِ ایّام سے کام
مستِ صہبائے تولّا کو ہے بس جام سے کام
مدحتِ آلِ نبیؐ ہے مرا مسلک کرّار
کامیابی ہے اسی میں کہ رہے کام سے کام

خلوصِ قلب سے جب بھی انھیں پکارا ہے
مرے امامؑ نے ہر کام کو سنوارا ہے
ہزار بادِ مخالف ، ہزار طوفاں ہوں
حسینیوں کے لئے موج بھی کنارا ہے

مدحِ عترت میں یہ اندازِ رقم رکھتے ہیں ہم
غیر کے سر کو قلم کر کے قلم رکھتے ہیں ہم
ہے بڑی نعمت دعائے فاطمہؑ اے مدعی
تیرے بخت ایسے کہاں دولت یہ ہم رکھتے ہیں ہم

ہتھیلی پر جو رکھ لے سر وہ کیا جانے قضا کیا ہے
وفا پر مرنے والوں سے کوئی پوچھے بقا کیا ہے
پئے مسکن نجف اور بہرِ مدفن کربلا مانگوں
"خدا مجھ سے اگر پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے"

نگاہِ شوق سے راہِ ثواب دیکھتے ہیں
بہارِ باغِ رسالت مآبؐ دیکھتے ہیں
جمالِ اکبرؑ و عباسؑ دیکھنے والے
علیؑ کا حُسن نبیؐ کا شباب دیکھتے ہیں

دل والے بپا بزمِ عزا کرتے ہیں
فطرت کا تقاضا ہے بُکا کرتے ہیں
شبیرؑ کے ماتم نے عطا کی توفیق
ہم اجرِ رسالتؐ کا ادا کرتے ہیں

بندے میں تجلیاتِ داور دیکھو
آئینۂ مصطفیٰ کا جوہر دیکھو
طاعت کا اگر لطفِ حقیقی چاہو
از روئے حدیث روئے حیدرؑ دیکھو

عباسِ علیؑ، تصویرِ وفا، تفسیرِ وفا، توقیرِ وفا
کاندھے پہ علم، جعفرؑ کا حشم، کرار شیم، سقائے حرم
ہے نام کے حرفوں سے پیدا، تاریخِ جہادِ کرب وبلا
دو حرف سے تعدادِ شہدا، دو حرف سے ظاہر سالِ الم

اللہ اور رسولؐ کے محبوب ہیں حسینؑ — دونوں کمان کے باب میں رشتا ایک ہیں
الزام ہے خروج کا اے مدعی غلط — گن لے حسینؑ و صلح کے اعداد ایک ہیں

۱۲۸ ۱۲۸

رباعی

عادل کا پتہ باز و کبوتر سے ملا — غالب کا نشاں خندق و خیبر سے ملا
انصاف و بہادری کے گن لو اعداد — دونوں کو شرف نسبتِ حیدرؑ سے ملا

۲۲۲ ۲۲۲ ۲۲۲

نمازِ علم

مجموعہ مراثی

سید یداللہ حیدر حیدرؔ

شائع ہو گئی ہے۔

یادداشت

یادداشت

یادداشت

وردِ زبانِ شہرِ خاص و عام ہے
دل مطمئن ہے کام سے لیکن کام ہے
جس میں نہیں کلام، وہ میرا کلام ہے
مداحِ اہلبیتؑ ہوں مرا احترام ہے

بچپن سے ہے امینِ سخن گستری زباں
ہے مدحِ اہلبیتؑ مری مادری زباں